سلسلۂ انجمن ترقی اردو (ہند) نمبر ۱۱۹

مرتبہ

سید علی حسنین زیبا

ایم۔ اے۔ سابق ریسرچ سکالر (جامعہ عثمانیہ)

شائع کردہ

انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی

خانصاحب عبداللطیف نے لطیفی پریس دہلی میں چھاپا

اور

مینجر انجمن ترقّیِ اردو (ہند) نے دہلی سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

نام و مقام | وحید الدین احمد نام وحید تخلص۔ قصبہ کڑا ضلع الہ آباد کے باشندے تھے
ان کے والد کا نام مولوی امیر الدین عرف مولوی امراللہ تھا۔ الہ آباد میں وکالت کرتے
تھے۔ اپنی سخاوت اور خوش خلقی کی وجہ سے بہت ہر دل عزیز تھے۔

شاگردی | ان کے بھانجے مولوی ابو نصر نے ان کے استاد کا نام شیخ بشیر علی بشیر رئیس قصبہ
مذکور لکھا ہے۔ وحید کے کلام سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

اب تم وحید واقف کس رنگ سے نہیں ہو   فیض بشیر سے یاں کہیے تو کیا نہیں ہے

ایک شعر میں انھوں نے ایک اور صاحب علو تخلص سے بھی اکتساب فن کا ذکر کیا ہے۔

اُس کے سخن کا رتبہ ہے سب سے بڑھا ہوا   جس کے کلام کو ہے یہاں کچھ علو سے فیض

علو غالباً یہاں تخلص ہی ہے اپنے لغوی معنی سے بظاہر متعلق نہیں معلوم ہوتا۔ اب یہ کون تھے،
کیا تھے، کس کے شاگرد تھے، شاعری میں ان کا کیا رتبہ تھا، یہ سب معلوم ہونا بہت مشکل ہے
شیخ بشیر خواجہ آتش کے شاگرد تھے گو ان کا کلام ہمارے سامنے نہیں مگر ان کے شاگرد
وحید کے دیوان میں جا بجا آتش کی چنگاریاں ملتی ہیں۔

میں نے جب وادیٔ غربت میں قدم رکھا تھا　　دور تک یادِ وطن آئی تھی سمجھانے کو

عشق کا نام لیا ہی تو ہو بہتر انجام　　اب تو بدنام نہ ہونے میں بھی رسوائی ہی

کچھ کہہ کے اس نے پھر مجھے دیوانہ کر دیا　　اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

اس کی مژگاں کو دیکھتا تھا فقط　　زخم تو خود جگر میں رکھا تھا

کھیلتے ہیں زندگی کا کھیل تو اک عمر سے　　کب بگڑتا ہی یہ مٹی کا گھروندا دیکھیے

رنگ طبیعت | وحید آپ کے شعر جس رنگ کے ہیں، وہ بتاتے ہیں باتیں طبیعت میں بھی ہم اس شعر کی بنا پر ہم نے ان کے اشعار سے ان کی طبیعت کا حال اور مزاج کی کیفیت معلوم کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس عہد کے شعرا میں غالباً ایک بھی ایسا نہیں جس کی بابت ہم اس طرح کی کوشش کا ارادہ بھی کر سکیں۔ مثلاً امیر مینائی کو لیجیے کلام سے وہ خدا جانے کیا کیا معلوم ہوتے ہیں تصوّف سے اُن کو ذرا بھی مس نہیں معلوم ہوتا درآں حالیکہ وہ مرد متقی اور صوفیانہ عادات و خصائل کے بزرگ تھے۔ یہی حال دوسروں کا ہے۔

وحید کے معلوم شدہ حالات کا تطابق ان کے اشعار سے کرنے پر یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتا ہے کہ ان کی شاعری ان کی حیات کی تفسیر اور زندگی کا عکس تھی

کلام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مرنجان مرنج طبیعت کے بزرگ تھے تقریباً ۲۴ ہزار شعر کہے مگر کبھی کسی کی ہجو سے آلودہ نہیں ہوئے۔ اسی طرح کبھی قصیدہ گوئی کی طرف بھی رغبت نہ کی اگر شاعری کو پیشہ بناتے تو ہجو اور قصیدہ سے بچا رہنا ممکن نہ تھا۔ ظاہر و باطن صوفیانہ صفات سے متصف معلوم ہوتے ہیں اکثر مسلسل غزلوں میں صوفیانہ مسائل کو نظم کیا ہے اس کے علاوہ مختلف اشعار میں بھی ایسے خیالات بکثرت ہیں۔ راگ رنگ کا ذوق اور حال قال کی محفلوں میں شرکت اس حال میں ضروری ہوتی ہے۔ کلام سے اس کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ دو ایک مسلسل غزلیں رقص کے مضمون اور ردیف میں کہی ہیں اس کے علاوہ حال و قال کے مضامین بھی جا بجا نظم کیے ہیں۔ مثلاً

مطرب بھی نہ آفت ہے نہ ہے ساز قیامت
پردہ کی مگر ہوتی ہے آواز قیامت

کیا نغمۂ مطرب سے ہے اک رنگ ہوا پر
پہنچا ہے سماں باندھ کے آہنگ ہوا پر

کیفیتیں نہ پوچھیے کچھ وجد و حال کی
تاثیر ہے یہ دل پہ انھیں کے خیال کی

پردے سے جو سُن پائی ہے آواز کسی کی
مطرب کو جُدا رقص ہے صوفی کو جدا رقص

شوریدگیٔ عشق کا سن پایا جو مذکور
تعظیمِ جنوں کے لیے مستانہ اٹھا رقص

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عشق عاشقی کا لپکا بھی تھا۔ جوانی اسی نشے میں کاٹی پھر اسی کا خمار خمخانۂ معرفت کی طرف لے گیا اور اسی کے ہو کر رہ گئے چنانچہ خود فرماتے ہیں:۔

نظر نہ جائے گی اب اپنی ماسوا کی طرف
خراب ہو کے بہت آئے ہیں خدا کی طرف

کلام میں دو ہی قسم کے مضامین کی کثرت ہے، صوفیانہ اور عاشقانہ۔ دونوں رنگوں میں ایسا ڈوب کر کہا ہے کہ تقلید نہیں معلوم ہوتی۔ اُن کے بھانجے نے اُن کی دو ایک کرامتیں بھی لکھی ہیں۔ خیر کرامتیں ہوں یا نہ ہوں ان کی منکسر مزاجی، خوش خلقی، آزاد خیالی اور وسیع مشربی کا اندازہ اسی سے لگایئے کہ دیوان کی دفتی پر آگ کے شعلوں میں گھر کر مرتے مرتے وصیت نامے میں یہ تحریر کیا:

"اس دیوان پر نظر ثانی نہیں ہوئی اور غلطیاں کثرت سے ہیں۔ جو صاحب اس کے چھپوانے یا شہرت دینے کا قصد کریں لازم ہے کہ کسی اچھے شاعر کو دکھائیں۔ اس میں کچھ مضائقہ نہ کریں۔"

تریسٹھ برس کا سن، مشق سخن کچھ نہ ہوگی تو بھی چالیس پینتالیس سال میں تو شبہ نہیں۔ زمانے کی آنکھیں دیکھے، شعرا اور اہل کمال کی صحبتیں اٹھائے۔ قوت شاعری کا یہ عالم کہ ایک ایک زمین میں تین تین سو شعر کہہ ڈالے۔ اس پر غلطیوں کا اعتراف، واقعی عالی ظرفی اور روشن دلی اسی کا نام ہے۔

رنگ سخن | رطب و یابس کس کے کلام میں نہیں ہوتا۔ میر تقی میر کے متعلق تو مشہور ہے علاوہ

اس کے اس عہد میں مشکل ردیفوں کا نباہنا اور دقیق قافیوں کا نظم کرنا ہی معیار کمال سمجھا جاتا تھا۔ ایسے میں ان کے دیوان کا بھی یہی حال نہ ہوتا تو تعجب تھا۔ اس پر طرہ یہ کہ نئی نئی زمینیں نکالتے اور انھیں میں داد سخن دیتے۔ خود ان کا دعویٰ ہے کہ

آج تک ہم نے نہیں کی کسی دیواں کی طرح
ایک مصرعہ سے طرح کے تو ہوئے ہیں مجبور

اس پر بھی ان کا فطری جوہر بغیر نمایاں ہوئے نہ رہا۔ واردات قلبیہ کی طرف رجحان ہر غزل سے ظاہر ہوتا ہے۔ کئی جگہ اس کا اظہار بھی کیا ہے

جس دن سے مرے ساتھ غزل خواں ہے مرا دل
اس دن سے کوئی شعر نہیں درد سے خالی

دل سب کا دکھا دیتی ہے آواز حزیں کی
اشعار میں ہے جوش طبیعت کی بھی لازم

اسی طرح ایک جگہ فرماتے ہیں۔

مگر تمام یہ دفتر ہے غم کے حالوں کا
وحید گو مرے دیواں میں کوئی لطف نہیں

اور یہ واقعہ بھی ہے کہ ان کے کلام میں آتش اسکول کے دیگر پیرووں سے زیادہ سوز و گداز پایا جاتا ہے۔

نہ تھے جب اس قدر بیخود تو کیا کچھ کہتے سنتے تھے
اب اشک آنکھوں میں بھر لانا نہ کچھ کہنا نہ کچھ سننا

دل تھام یوں ہاتھوں سے وحید اپنا ذرا میں
یوں نام نہ لے بیٹھیو فی الفور کسی کا

ہجر میں جو دل طپاں سے ہوا
وہ زمیں سے نہ آسماں سے ہوا

نہیں ہے اور تو دل کی خبر کچھ تیری فرقت میں
مگر تھوڑا سا اک دکھتا ہوا پہلو میں پاتا ہوں

یہ نہ پوچھو مجھے الفت نے دکھایا کیا کیا
کچھ جواب اس کا نہیں آنکھوں میں آنسو کے سوا

آج پھر شہر کے کوچے نظر آتے ہیں اداس
کس طرف لے گئی وحشت ترے دیوانے کو

حسرتیں اپنے جی کی جی سے کہوں
ان کے صدموں کو کیا کسی سے کہوں

نالہ و شیون یا گریہ وزاری کی بجائے یہ اشعار اس زیر لب آہ سے زیادہ مناسبت رکھتے ہیں جس کا باعث درد کی ہلکی سی کسک ہوتی ہے۔ یہ آہ دل والوں ہی کے نصیب میں ہے

اور اس کا لطف بھی چوٹ کھائے ہوئے دل ہی اٹھا سکتے ہیں۔

جہاں میں جن کے دل پر ہجر کا گزرا ہی کچھ صدمہ		وہ اکثر اس غزل کے شعر سُن سُن کر تڑپتے ہیں

بلکہ یہ تو یہاں تک کہتے ہیں۔

وحید شعر و سخن کا مزہ اسی سے ہے		بیان وصل و جدائی نہ ہو تو لطف نہیں

ایک جگہ اور فرماتے ہیں۔

راز الفت سے نہیں واقف جو دنیا میں وحید		اس پہ کھلتا ہی نہیں مطلب مری تقریر کا

ان کا پورا کلام اس پر گواہ ہے۔ نظارہ اور تاک جھانک سے ناز و نیاز بلکہ اس کے بعد کی معاملت بھی ان کی شاعری میں پائی جاتی ہے۔

پائی ہے مرے بوسوں کی جس دن سے حلاوت		اس وقت سے ارمانِ شباب اور ہی کچھ ہے

اس کی بظاہر وجہ تو یہ ہے کہ اس عہد کا مذاقِ سخن ہی ایسا تھا۔ امیر مینائی اور منیر شکوہ آبادی جیسے پابند مذہب اور متقی لوگ بے تکلف معاملت نظم کرتے اور اس پردے میں ہزاروں ناگفتنی باتیں مزے لے لے کر بیان کرتے تھے۔ ان کے ہاں اس عام مذاق کے علاوہ ایک اور وجہ بھی ہے جو ان کی خصوصیت معلوم ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ خیال کی فطری رو کو الجھانے سے یہ ہمیشہ گریز کرتے اور معنوی سادگی کو کلام کا جوہر سمجھتے ہیں۔ وہ عشق عاشقی کے مضامین ہوں یا تصوف کے، فلسفیانہ خیالات ہوں یا عام مسائل حیات، جو کچھ نظم کریں گے سادگیِ خیال کا ہمیشہ خیال رکھیں گے۔

عاشقانہ

سو بار محبت نے چھری ہجر میں پھیری		اب تک نہ محبت کی بُرائی نظر آئی

صوفیانہ

جدھر نگاہ اٹھائی ہوئی تجھی سے دوچار		ترے سوا بھی کوئی عالمِ وجود میں ہے

عام مسائل

جب خدا سے شرم آتی ہی نہیں وقتِ گناہ دیدۂ انساں سے انساں کو حجاب آیا تو کیا

فلسفیانہ

اک زمانہ کے جو پیچھے نہ روانہ ہوگا کیوں جی وہ بھی کوئی دنیا میں زمانہ ہوگا

کبھی کبھی اسی دُھن کی وجہ سے دندانِ تو جملہ در دہانند کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے۔

خدا کی شان یہ ہم اور صحرا ہمیں اک ذرتے کس کے محل ہیں

کچھ عجب بات ہے ہیں کفر پہ کافر نازاں اہلِ اسلام سے سُنتے ہیں کہ اسلام ہے خوب

اسی طرح ان کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ سفر وحضر کے مضامین نہایت لطف سے نظم کرتے ہیں اور اکثر بیشتر فطری خیالات ہی میں ساحری کرتے ہیں

غربت کی راتیں ہوتی ہیں اسی طرح میں بسر پیشِ نظر ہے کوسوں کا میدان وقتِ صبح

گو عالمِ غربت میں بھی ہے سیر کا عالم اے حسرتِ ہنگامِ سفر تو بھی غضب ہے

غربت کی شام دیکھ کے رونا سا آگیا آنکھوں کے نیچے پھر گئی صبحِ وطن ابھی

حسرت تمام راہ کی قابل ہے دید کے دل قدم سے فکر جو منزل کی دل میں ہے

منزل کا شوق آپ تیرا ہوگا رہنما چلنا جو ہو تو پھر نہ پتہ پوچھ راہ کا

یاد آگئیں جو دشتِ مصیبت کی منزلیں کوسوں خیال میں دل شیدا نکل گیا

میں نے جب وادیٔ غربت میں قدم رکھا تھا دور تک یادِ وطن آئی تھی سمجھانے کو

غرض کہ ایسے اشعار کی تعداد بہت ہے اور بعض پوری پوری غزلیں اسی مضمون کی ملتی ہیں، دو ایک غزلوں کی ردیف ہی وطن ہے۔ کہنے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ اس قسم کے مضامین سب ہی شاعر نظم کرتے ہیں مگر نگاہِ انصاف کا تقاضا ہے کہ آپنی واقعیت کے ساتھ اردو میں یہ مضامین ان سے پہلے نظم نہیں کیے گئے اور ان کے بعد بھی کسی کو یہ توفیق نہیں ہوئی۔ سفر سے متعلق اردو میں جہاں تک ہم نے سنا ہے دو ہی شعر مشہور ہیں ایک خواجہ آتش کا

سفر ہی شرط مسافر نواز بہتیرے　　ہزار ہا شجر سایہ دار راہ میں ہے

دوسرے حفیظ جونپوری شاگرد امیر مینائی کا

بیٹھ جاتا ہوں جہاں چھاؤں گھنی ہوتی ہے　　ہائے کیا چیز غریب الوطنی ہوتی ہے

ممکن ہے حفیظ کا شعر خواجہ کے شعر سے اخذ کیا گیا ہو، مگر واقعیت کے لحاظ سے یقیناً اُس شعر سے بلند ہے۔ پھر بھی جو واقعیت اور اثر انگیزی وحید کے اشعار میں ہے اس سے بڑھ نہیں سکا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ وحید تقلیدی طور پر اس مضمون کو نظم نہیں کرتے تھے بلکہ ان کو سفر کا موقع بہت ملا تھا۔ جو حالات ہم کو ملے ہیں ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی آمد و رفت لکھنؤ، الہ آباد، پٹنہ، عظیم آباد میں اکثر رہی ہے ایک مرتبہ حیدر آباد دکن بھی آئے تھے۔ دیوان میں پٹنہ اور دکن کے سفر کی طرف کہیں صاف اشارہ نہیں کیا ہے مگر لکھنؤ کا ذکر اس شعر میں ہے

بتانِ لکھنؤ میں کیا وحید اسرار دیکھا ہے　　یہ کیوں جاتے نہیں سوئے الہ آباد کیا باعث

اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مستقل قیام الہ آباد میں رہا کرتا تھا۔

اسی سلسلے میں یہ کہنا غالباً بے موقع نہ ہوگا کہ بعض اشعار میں ہنگامۂ غدر کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔

خبر نہیں کہ انھیں لوٹ لے گیا ہے کون　　وہ رونق اب نظر آتی نہیں دیاروں کی

سب کی ہے اس عہد میں مٹی خراب　　ذلتیں باقی ہیں توقیریں گئیں

ردیف الف میں ایک مسلسل غزل

لالۂ خوش رنگ تھا زیبِ چمن کیا ہو گیا

پر اسی ہنگامے کا اثر معلوم ہوتا ہے۔ دوسرے عام مسائل حیات بھی اکثر بڑے لطف کے ساتھ نظم کیے ہیں

کہیں ہوگا انساں ہزاروں میں ایک　　ہزاروں ہیں گو آدمی کی طرح

اے دل تجھے رونا ہو تو جی کھول کے رو لے　　دنیا سے بڑھ کر کوئی ویرانہ ملے گا

قبر کے سانچے میں سیدھے ہو کے کہتے ہیں حسیں
آج کے دن وہ ہمارا بانکپن کیا ہو گیا

اسی طرح فلسفیانہ رنگ بھی جھلک جاتا ہے

میں اپنے دل کو سمجھتا تھا آگے اور کہیں
اسی احاطۂ کونین کے حدود میں ہے

جائے گی لے کے اچھل اپنے ہی مرکز کی طرف
شکر کی جا ہے کہیں اور نہ جانا ہوگا

کسی کا رنگ ترے رنگ سے نہیں باہر
بہار اپنی ہی صورت کی خوب و زشت میں دیکھ

اپنی صورت سے گزر جاہے اگر معنی کی فکر
رنگ سے باہر بھی ہے اک رنگ اس تصویر کا

یہاں یہ اشارہ کر دینا بھی ضروری ہے کہ ان کی طبیعت پر اشراقی رنگ زیادہ غالب تھا اس کا ثبوت ان کے کلام میں بہ کثرت ملتا ہے۔ صوفیانہ مضامین کے سلسلے میں تو بہ کثرت ایسے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اس کے علاوہ اوچکھوں پر بھی ہے

جس خاک کو پہلے سے نہ ہو ظرف یہ حاصل
وہ جام و سبو و خم و ساغر ہو تو کیا ہو

جو ڈھونڈھو تو سر تا قدم کچھ نہیں میں
جو دیکھو تو مجھ میں سراپا وہی ہے

خود محرم اسرار بناؤگے نہ جب تک
دیکھے گا نہ جلوہ کوئی یگانہ تمہارا

یہ سوئے دیر و حرم کیوں گئے برہمن و شیخ
خیال یار میں آنکھوں کو بند کیوں نہ کیا

اسی فلسفے کی چاشنی غالباً آخر آخر ان کو تصوف کی طرف مائل کر دیا تھا۔ سچ پوچھو تو تصوف فلسفیانہ عاشقی کا دوسرا نام ہے۔ صوفیانہ مضامین سے ان کا کلام بھرا ہوا ہے۔ مسلسل غزلیں بھی اس رنگ میں بہ کثرت ہیں اور مختلف اشعار بھی۔

آنکھ بھی چاہیے نظارۂ وحدت کے لیے
بت کو آسان نہیں منہ سے خدا کہہ دینا

عشق کی راہ سے مسلک ہے جو دونوں کا جدا
پھر تو کافر ہی ہے تیرا نہ مسلماں تیرا

گل پہ بلبل تھا کہیں شمع پہ پروانہ تھا
ہم نے ہر رنگ میں دیکھا ترے دیوانے کو

آنکھوں سے ڈھونڈھتا تھا میں جس رشک ماہ کو
روشن اسی کے نور سے پایا نگاہ کو

نشست اپنی کہیں ہو ان کا جلوہ دیکھ لیتے ہیں
جہاں ہیں راستے میں وادیٔ ایمن کے بیٹھے ہیں

مقام قرب آتا ہی نظر راہِ طریقت میں یہ کیسا راستہ ہی یہ تو کچھ منزل سے ملتا ہی

یہ ان کے مہمات شاعری کا تذکرہ تھا۔ طرز ادا اور اسلوب بیان کے لحاظ سے اپنے زمانے کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ صنائع و بدائع کی طرف کچھ زیادہ میلان نہ تھا پھر بھی کہیں کہیں بعض صنعتیں لف و نشر، طباق الاضداد، ایہام اور تجنیس وغیرہ ملتی ہیں۔

لف و نشر۔

حلاوت سے مزے سے لطف و شیرینی سے ملو کر زباں اپنی سخن اپنا کلام اپنا بیاں اپنا

طباق الاضداد۔

سامنے آئی ہی آغاز محبت میں وہی نظر آتا نہیں جس بات کا انجام مجھے

تجنیس زائد۔

تلاش معنی وصورت کے تو یہ معنی ہیں جو خواب میں نہیں دیکھا وہ خوب زشت میں دیکھ

تجنیس محرف

ان زلفوں کی بو پا کے میں کرتا تجھے کیا یاد تو مجھ کو بھی ای باد صبا بھول گئی تھی

ایہام تناسب

اس رشک گل کی یاد کا کیا پوچھتے ہو حال اس دم بھی اک شگوفہ نیا لے کے آئی تھی

حسن قافیہ اور ردیف میں داغ کے ہم پلہ معلوم ہوتے ہیں۔ بولتے ہوئے قافیے اور چلتی ہوئی ردیفیں داغ کی خصوصیت سمجھی جاتی ہی۔ طباطبائی مرحوم نے بھی اس کا ذکر نہایت شد و مد سے کیا ہی "گھر لگی ہوئی، پر لگی ہوئی" کی زمین میں" آواز پر ہی شورش محشر لگی ہوئی" کی بہت تعریف کی ہی۔ ان کے یہاں ایسی مثالیں بہ کثرت ہیں اور خود بھی اس کے مدعی ہیں۔

وحید روشنیِ فکر کے یہ معنی ہیں چمکتا جاتا ہی حسنِ ردیف کیسا کچھ

بعض مثالیں حسب ذیل ہیں:۔

نہ پوچھو اپنی شکایت کی مجھ سے حضرت عشق — رہا ہے کچھ دنوں ذکر تشریف کیسا کچھ
اگر وہ امتحاں لیتا ہے میری سرفروشی کا — تو میں بھی کس رہا ہوں یار کی تلوار کی کر
اب شہر میں کہاں ہیں وہ وحشت کی شوخیاں — صحرا کی بات بنتی تھی صحرا کے ساتھ تھی
تقدیر بگڑتی ہے تو کچھ بن نہیں پڑتی — سچ کہتے ہیں پڑتی ہے تو کچھ بن نہیں پڑتی
ابھی موقع شکایتوں کا نہیں — ان کے اقرار دیکھ لینے دو

اسی طرح زبان اور محاورہ کی خوبیاں بھی بکثرت ملتی ہیں۔ عام طور پر صاف ستھری عام پسند اور بامحاورہ زبان کا استعمال پسند کرتے ہیں۔ بندش کی چستی بھی استادانہ رنگ رکھتی ہے

کیسا محشر کہاں کی پرسش — ساقی ہے انجمن ہمیشہ
میسّر فاقہ مستوں کو کہاں جام — ملا کر پی گئے چلو سے چلو
کر چکے جی سے جب گزرنے کو — اب نہ کہیے گا صبر کرنے کو
پھر یہ کہیے گا دیدۂ عرفاں پہ عتراب — پیدا تو پہلے کیجیے منصور کی نگاہ
شب گزر بھی گئی وہ آ بھی گئے دن بھی ہوا — کیا کہوں اب مجھے امید سحر تھی کہ نہ تھی
خیال مے کشی جب تک نہیں تھا ہم کو اے ساقی — بہت اڑتی تھی ہم سے دختر رز پارسا ہو کر

یوں تو تشبیہ واستعارہ کا تعلق لفظ و معنی دونوں ہی سے ہے، مگر اسلوب بیان کے لحاظ سے اس کی خاص اہمیت ہے۔ ان کے ہاں بعض نہایت پاکیزہ اور فطری تشبیہیں ملتی ہیں۔

گرمیٔ سوز غم جو ہے وقتِ شباب سے — کیا جل کے رہ گئے ہیں ہری دوب کی طرح
وقتِ خزاں کہاں ہے وہ دل کی شگفتگی — اب پھول اس چمن کے بھی کھلائے جاتے ہیں
وحید داغِ محبت کہاں دمِ پیری — یہ آفتاب نہیں اس سحر کے حصے میں
داغِ دل کا بھی تھا کیا عہدِ جوانی تک فروغ — اب وہ نورِ شب چراغ صبح گاہی میں نہیں

غرض کہ بندش کی خوبی نئی زمینوں کا اختراع، زبان کی سلاست کلام کی پختگی اور مضامین کی بہتات نے ان کو بجا طور پر استاد کا مرتبہ عطا کر دیا ہے۔ موجودہ کلام کی تعداد

نو سو انٹھائیس غزلیں ہیں جن میں کم و بیش تیئس ہزار دو سو باسٹھ شعر ہیں۔ انھیں میں سے یہ انتخاب کیا گیا ہے۔

مشہور ہے کہ اکبر الہ آبادی انھیں کے شاگرد تھے ان کے علاوہ پٹنہ عظیم آباد کے بعض افراد بھی ان سے تلمذ کا فخر رکھتے تھے۔

اپریل ۱۹۲۸ء کے دوسرے ہفتہ میں مولانا مردانے مکان میں سو رہے تھے۔ اتفاقیہ قصبہ کے ایک مکان میں آگ لگ گئی اور بڑھتے بڑھتے ان کے گھر تک آپہنچی۔ شور و شغف سے ان کی آنکھ کھلی، فوراً زنان خانہ میں گئے اور عورتوں کو پچھواڑے کے احاطہ میں پہنچا کر خود کوٹھری میں دیوان نکالنے داخل ہوئے تھے کہ آگ اس کوٹھری تک پہنچ گئی اور یہ باہر نہ نکل سکے۔ دھوئیں کے صدمے سے انتقال فرمایا۔ آگ فرو ہونے کے بعد مونڈھے پر قبلہ رو ملے، دیوان گود میں آگ سے محفوظ تھا۔ اُلٹ کر دیکھا گیا تو دفتی پر یہ وصیت نامہ لکھا ہوا ملا۔

نقل وصیت نامہ

ہر کام کا بھروسہ خدا کی ذات پر ہے بعد السلام علیکم کے ظاہر ہو کہ اس دیوان پر نظر ثانی نہیں ہوئی اور غلطیاں کثرت سے ہیں جو صاحب اس کے چھپوانے یا شہرت دینے کا قصد کریں لازم ہے کہ کسی اچھے شاعر کو دکھالیں۔ اس میں کچھ مضائقہ نہ کریں۔ متاع نیک ہر دو کاں کہ باشد۔ آئندہ اختیار مردہ بدست زندہ

وحید الدین محمد وحید عفی اللہ عنہ بقلم خود رقم نمود

انتقال کے وقت عمر تریسٹھ سال کی تھی اور سنہ ارتحال ۱۹۲۸ء ہے۔ اس حساب سے سال پیدائش ۱۸۶۵ء قرار پاتا ہے۔

۹ مئی ۱۹۲۸ء کے اودھ اخبار صفحہ ۱۱۶۴ پر نہال احمد صاحب علوی باشندہ کڑا الہ آباد کا ایک مضمون اس حادثے کی بابت شائع ہوا تھا جس کے ساتھ شاہ محمد علیم الہ آبادی

کا لکھا ہوا قطعہ تاریخ بھی چھپا تھا، دونوں یہاں نقل کیے جاتے ہیں:۔

اپریل ۱۸۹۲ء کا دوسرا ہفتہ اور قصبہ کڑا

نمی دانم حدیث نامہ چونست ہمی بینم کہ عنوانش بخونست

اپریل کا دوسرا ہفتہ باشندگان قصبہ کڑا کو مدتوں نہ بھولے گا۔ آہ وہ ہفتہ کیسے بھول سکتا ہے جس نے ہزاروں امیدوں اور لاکھوں خوشیوں کا خون کر ڈالا ہو، آہ وہ ہفتہ کیوں کر بھول سکتا ہے جس نے تمام اہل قصبہ کو لباس ماتمی پہنا کر خون کے آنسو رلائے ہوں۔ آہ وہ ہفتہ کیوں کر بھول سکتا ہے جس کی ستم ناک ساعتوں نے گلشن عیش کے تختے کے تختے چمن کے چمن پھونک کے خاک سیاہ کر ڈالے۔ آہ وہ ہفتہ کیوں کر بھول سکتا ہے جس کا ہر ہر لحظہ خود وحشتناک صداؤں سے کہہ رہا تھا۔

نمی دانم حدیث نامہ چون است ہمی بینم کہ عنوانش بخون است

۱۰؍اپریل ۱۸۹۲ء کو واقعۂ آتش زدگی نے اہل قصبہ بلکہ اہل جوار کے دلوں میں وہ آتش غم لگائی جس کے بجھانے کے لیے بجز آب رحمت جناب باری اور کوئی دریا کافی نہیں ہو سکتا۔ آہ اس آتش بے وقت نے وہ پونجی پھونکی جس کا فراہم کرنا ساکنانِ قصبہ مذکور کے لیے صرف دشوار ہی نہیں بلکہ ناممکن و محال ہے۔ وہ کون شے ہے جس کو کھو کر کوئی نہیں پا سکتا؟ وہ کون چیز ہے جس کا نعم البدل نہیں ہو سکتا؟ وہ اس زمانے کے دو ایک اہل کمال ہیں، وہ اس زمانے کے لائق ترین اور افضل ترین اشخاص ہیں جنھیں زمانے نے بڑی بڑی محنتوں اور جفاکشیوں سے روک رکھا تھا وہ کون آتش وقت ناسخ زماں وحید عصر یکتائے دہر سلطان الشعرا اکمل الکملا مولوی وحید الدین احمد صاحب المتخلص بہ وحید الہ آبادی نور اللہ مرقدہٗ۔ جناب موصوف کا نام پاک تمام دیار و امصار میں زبان زد خلایق ہے۔ جناب موصوف کی لیاقت و کمال کا ہر شخص معترف ہے۔ ایسی لیاقت اور ایسے کمال کا اُستاد فی زمانا صرف قصبہ کڑا ہی میں یکتا نہ تھا بلکہ صوبہ الہ آباد کو جناب موصوف کی

استادی وکمال پر فخر تھا جناب موصوف کے صدمے نے صرف اسی قصبے کے دل کو پاش پاش نہیں کیا بلکہ عظیم آباد پٹنہ و الہ آباد وغیرہ وغیرہ بھی اس کا سہیم و شریک ہے۔ جناب موصوف کا سن ساٹھ برس سے متجاوز تھا۔ آپ کے استاد اسی ویرانے کے ایک نامور آدمی شیخ بشیر علی صاحب بشیر تھے اور شیخ صاحب موصوف کو سلسلۂ شاعری میں حضرت خواجہ حیدر علی آتش مرحوم سے فیض تھا۔ فخر اساتذہ جناب مولوی وحیدالدین احمد صاحب نے وہ کمال فن شاعری میں حاصل کیا تھا جس سے صرف شاگردانِ خواجہ آتش ہی کو نہیں بلکہ خود آتش مرحوم کو اگر وہ موجود ہوتے تو فخر ہوتا۔ جناب ممدوح نے دو دیوان ایک مرتب اور دوسرا غیر مرتب چھوڑا ہے جس وقت شائع ہوں گے لوگ خود معلوم کرلیں گے کہ جناب موصوف کس دل و دماغ کے شاعر تھے اور نہ صرف شاعر بلکہ منکسر خلیق ہمدرد و آزاد خوش مزاج اور مستغنی المزاج انسان تھے۔ ایک قطعہ تاریخ جو جناب سید شاہ محمد علیم صاحب الہ آبادی کا مصنفہ ہے ہدیہ ناظرین کرتا ہوں جس سے مجمل کیفیت وفات بھی معلوم ہوجائے گی وہو ہذا

تاریخ وفات مولوی وحیدالدین صاحب مرحوم ومغفور

قصۂ غم ناک می گویم شنو — تاب او از سوزِ حسرت گر بود
آں وحید نکتہ سنجِ بے عدیل — کز غم او حال دل ابتر بود
ناگہاں در خانہ اش آتش گرفت — کاندر او صد شعلہ یک اخگر بود
از پے دیواں درا دجائے چو رفت — کاورد گر مرضیِ داور بود
بود چوں فرطِ دخاں از آتشش — سوز او کاندر جگر نشتر بود
زود تر از اختناقِ دم بمرد — رفتنی را پائے او دیگر بود
یازدہ بُد صوم از ماہِ صیام — زیں قیاسِ حالتِ مضطر بود
چوں ز فرطِ تشنگی مشتاق آب — صائم تشنہ دہن اکثر بود

تشنہ کامی گفت تاریخش علیم   جاے پاکش بر لب کوثر بود

راقم نہال احمد علوی کڑ دی

ان کے بھانجے محمد ابو نصر صاحب نے ان کے جو حالات لکھے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:۔

حالات زندگی و وفات مولوی وحید الدین احمد صاحب المتخلص بہ وحید

مولوی وحید الدین احمد صاحب تخلص بہ وحید قصبہ کڑا ضلع الہ آباد کے رؤسا میں سے تھے۔ آپ کے والد ماجد مولوی امیر الدین عرف مولوی امر اللہ صاحب نامور وکیل الہ آباد کے تھے۔ مولوی امر اللہ صاحب علاوہ نامور وکیل ہونے کے جود وسخا میں حاتم ثانی تھے چار دانگ عالم میں آپ کے جود وسخا کا شہرہ تھا۔ مولوی وحید الدین صاحب قصبہ کڑا میں پیدا ہوئے اور وہیں فارسی و عربی کی تعلیم پائی۔ اوائل عمر ہی سے شوق شاعری دامن گیر ہوا شیخ بشیر علی صاحب رئیس قصبہ کڑا سے فخر تلمذ حاصل کیا اور فن شاعری میں اس قدر کمال حاصل کیا کہ اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ بڑے بڑے شعرا آپ کے ہم عصر مثلاً داغ دہلوی اور امیر مینائی وغیرہ آپ کی شاعری کا سکہ مانے ہوئے تھے۔ آپ کا قیام کبھی قصبہ کڑا کبھی الہ آباد میں رہتا تھا۔ آپ کی شاعری کی شہرت نے رؤسا و شعرائے پٹنہ عظیم آباد کو آپ کی ملاقات کا مشتاق بنا دیا اور وہاں کے رئیس اعظم میرا بو سعید صاحب نے آپ کو طلب فرمایا اور وہاں کے بہت سے رؤسا جن کو فن شاعری میں مذاق تھا، آپ کے شاگرد ہوئے بس زیادہ تر آپ کا قیام عظیم آباد میں رہنے لگا۔ ایک مرتبہ آپ کو لکھنو تشریف لے جانے کا اتفاق ہوا لکھنو میں ایک بیگم صاحبہ کے یہاں مشاعرہ ہونے والا تھا چونکہ آپ کو واپسی کی عجلت تھی اس وجہ سے شرکت مشاعرہ ناممکن تھی۔ آپ کے ایک دوست آپ کو بیگم صاحبہ کے دولت خانہ پر لے گئے اور بیگم صاحبہ سے عرض کیا کہ یہ شاعر جو میرے ہمراہ ہیں دیہات کے رہنے والے ہیں چوں کہ جلد

واپس جانے والے ہیں شرکت مشاعرہ میں نہیں کر سکتے اُن کا کلام سُن لیا جائے۔ بیگم صاحبہ نے فرمایا مجھ کو کلام سُننے کی فرصت نہیں ہے ان کو مصرع طرح دیا جائے کہ ضم کریں میں ان کے کلام کا اندازہ کر لوں گی مصرع طرح سنایا گیا وہ یہ تھا۔ "دور سے آئے ہیں مشتاق تماشا ہو کر" آپ نے برجستہ مصرع ضم کیا۔

دور سے آئے ہیں مشتاق تماشا ہو کر ہم سے پردہ نہ کرو شاہد رعنا ہو کر

مصرعہ سُننا تھا کہ بیگم صاحبہ نے بے محابا پردہ اُلٹ دیا اور کلام سننے کی مشتاق ہوئیں کلام سُن کر بے حد مسرور ہوئیں۔ لکھنؤ میں بھی آپ کی شہرت ہو گئی۔ ایک مرتبہ آپ کا حیدرآباد دکن کا سفر ہوا۔ سفر کے واقعات آپ نے دیوان کی ایک غزل میں تحریر فرمائے ہیں جس کی ردیف وقافیہ کالا پہاڑ ہے۔ غرض کہ آپ نے ساری عمر اپنی شاعری میں صرف کی عبادت وریاضت کا یہ حال تھا کہ آپ درجۂ کمال تک فائز ہوئے، اکثر باتیں آپ کی اظہار کرامت کی شاہد ہیں۔

۱۔ آپ کی عمر قریب ۰۰ برس کے پہنچی تھی کہ ایک روز اپنے گھر میں کچھ ناخوش ہوئے اور غصے کی حالت میں فرمایا کہ میرا جہاز تیار ہے میں دو گھنٹے میں چلا جاؤں گا تم لوگ کف افسوس مل کر رہ جاؤ گے۔

۲۔ زمانہ ماہ صیام کا تھا اپنے ملنے والوں کو مدعو کر آئے تھے کہ افطار ہمارے مکان پر ہو گا۔

قصبہ کڑا میں چودھری محمد تقی صاحب کے مکان میں اتفاقیہ آگ لگ گئی مولانا مرحوم کا مکان چودھری صاحب مذکور کے مکان سے قریب قریب ایک فرلانگ کے فاصلہ پر ہے چوں کہ ہوا تند تھی آگ بڑھتی گئی۔ ٹھیک دوپہر کا وقت تھا مولانا صاحب مردانے مکان میں سو رہے تھے آتش زدگی کے شور وشغب میں آنکھ کھل گئی بیدار ہو کر اندر مکان کے گئے اور مستورات کو عقب مکان کے ایک احاطے میں بھیج کر خود کوٹھری میں واسطے

نکالنے دیوان کے تشریف لے گئے کہ دفعتاً آگ اس دالان میں پہنچ گئی اور آپ کوٹھڑی کے باہر نہ نکل سکے مجبوراً اندرون کوٹھری ایک مونڈھے پر رو بہ قبلہ ہو بیٹھے۔ دیوان گود میں تھا دھوئیں کے صدمے سے روح جسم خاکی سے پرواز کر گئی۔ آگ فرو ہونے کے بعد آپ کوٹھڑی سے نکالے گئے، آگ کا کوئی اثر آپ کے جسم پر نہیں تھا۔ دیوان محفوظ ملا۔ دوات و قلم بھی مونڈھے کے قریب ملا۔ دیوان کی دفتی الٹ کر دیکھی گئی تو یہ وصیت نامہ لکھا ہوا ملا " دیوان میرا مرتب ہے جو صاحب اس کے چھاپنے یا شائع کرنے کا ارادہ کریں وہ کسی اُستاد وقت سے نظر ثانی کرا کے شائع کریں کیوں کہ دیوان میں کتابت کی صدہا غلطیاں ہیں اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔ متاع نیک ہر دوکاں کہ باشد "

اپنی روانگی کی پیشین گوئی جو مولانا مرحوم نے اپنے گھر میں کی تھی وہ دس بجے دن کا وقت تھا اور دنیا سے کوچ کا وقت بارہ بجے تھا۔

دوسری پیشین گوئی متعلق بہ افطار صوم بھی صحیح تھی کہ لوگوں نے آپ کے مکان پر روزہ افطار کیا۔ آپ کی وفات کے بعد کیا خوب مطلع شاہ محمد علیم صاحب نے فرمایا ہے ۔

سینۂ پُرسوز کو پاکر مکانِ سوختہ چشم تر میں بھی نہ ٹھیری ملئے جانِ سوختہ

انھیں شاعر نے آپ کے حالات کے متعلق ایک تاریخ بھی لکھی ہے آپ نے دیوان چھپوانے کا سامان بالکل مکمل کر لیا تھا اور ارادہ تھا کہ بعد انقضائے ماہِ صیام دیوان چھپنا شروع ہو جا دے گا مگر اللہ تعالیٰ کو تو کچھ اور ہی منظور تھا کہ دیوان کے چھپنے کی نوبت نہ آئی اور آپ خلد بریں تشریف لے گئے، گیارہ رمضان المبارک ۱۳۰۹ھ بوقت بعد زوال آفتاب جس وقت آپ کے وصال کی خبر پٹنہ عظیم آباد میں پہنچی وہاں ایک مجلس مشاعرہ منعقد کی گئی جس میں مولانا مرحوم کے ایک شاگرد نے اول ایک قطعہ پڑھا۔ طرح مشاعرہ یہ تھی

"خونِ دل کا رنگ تجھ میں ای حنا ہونا نہ تھا"

قطعہ

بزم سنسان دیکھ کر یاد آگئے مجھ کو وحید　　چوٹ اک دل پر لگی یہ سانحہ ہونا نہ تھا
فی الحقیقت شاعری کا وہ مزہ جاتا رہا　　گو پئے تفریح یہ چرچا ہوا ہونا نہ تھا
اٹھ گیا دنیا سے جب وہ بلبل گلزار نظم　　شغل یہ بعدِ وحیدِ خوشنوا ہونا نہ تھا

اس پر کہرام و ماتم ہوا۔

گو دیوان محفوظ رہا مگر بہت سی غزلیں جو دیوان میں درج نہ ہوئی تھیں ضائع ہوگئیں جس قدر پڑھنے میں آئیں وہ درج دیوان کر لی گئیں بہت افسوس ہے یہ ضائع شدہ غزلیں آخری حصۂ عمر کی شاعری کی تھیں جس قدر حالات حیات و ممات مولانا مرحوم کے خاکسار کو معلوم تھے وہ تحریر کیے گئے۔ زیادہ والسلام

خاکسار محمد ابو نصر ہمشیر زادہ مولوی وحید الدین صاحب"

اخیر میں انتخاب کی بابت صرف یہ کہنا ہے کہ اپنے مذاق طبیعت کی بجائے شاعر کے ماحول اور اس وقت کے رنگ سخن کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

سید علی حسنین زیبا ایم۔ اے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ردیف (الف)

ہر جگہ جب وہی ہی خود موجود — پوچھنا کیا ہی اور کہنا کیا
سب خودی کے لیے ہیں اتنے حجاب — بے خودوں سے ہوا اس کو پردا کیا
اتنی بھی آنکھ تو کسی کو نہیں — کہ نہاں کیا ہی اور پیدا کیا
اپنے ہی دم سے ہی بہار و خزاں — جب نہیں ہم تو باغ و صحرا کیا
اپنے ہی حال پر تاسف کر — سُن رہا ہی کسی کا قصہ کیا

کس قدر ہی عاجزی درگاہ میں اُس کی پسند — سُنتے ہیں ٹوٹا ہوا دل ہی مقام اللہ کا

کیا بے خودی میں دیکھنے دے گا کسی کو کچھ — نظارہ آپ مست ہی چشم سیاہ کا
منزل کا شوق آپ ترا ہوگا رہنما — چلنا جو ہو تو پھر نہ پتہ پوچھ راہ کا
پیدا کیا ہی ڈھونڈھ کے اس چشم مست کو — یہ مے کدہ بنایا ہوا ہی نگاہ کا
حیرت ہی مجھ کو دل سے یہ بستی میں کیوں بسا — کیوں کر پسند آیا مقام اس کو راہ کا

تربت میں بھی ہی یاد جہاں اہل حرص کو
منزل میں بھی پہنچ کے تصور ہی راہ کا

جب اشک خوں بہے ہیں تو دل کی نہیں خبر
کیا کہہ رہا ہی رنگ تو دیکھو گواہ کا

اب دیکھیں آنکھ آنکھ سے ملتی ہی یا نہیں
رخصت کے وقت تھا یہی ملنا نگاہ کا

کس کی ہوائے شوق نے بھڑکائی دل کی آگ
جلتا ہوا چراغ ہوں میں کس کی راہ کا

ای دل جو تو نے دیر سے کعبہ کی راہ لی
اس راستے میں بھی ہی وہی پھیر راہ کا

یہ لطف بھی اٹھا چلئے کچھ دن کسی کے ساتھ
اب دل میں حوصلہ ہی نہیں رسم و راہ کا

دل میں کسی جگہ ہوں تو آنکھوں میں ہوں کہیں
ہرجا اٹھا رہا ہوں مزہ تیری چاہ کا

آرام میں بھی تیرگیٔ بخت ساتھ ہی
میں خواب بھی ہوں تو کسی چشم سیاہ کا

یہ کس نے کہہ دیا کہ وہ آنکھوں میں ہیں کہیں
وہم اس گھڑی ہزار جگہ ہی نگاہ کا

ہم عاصیوں کا حشر میں کیا پوچھتے ہو حال
کار ثواب پر بھی ہی عالم گناہ کا

کیا میکدہ ہی عشق حقیقت میں یار کا
بے خود کا ہی جو حال وہی ہوشیار کا

کیا محوِ عشق ہوں مجھے اتنی نہیں خبر
فرقت کی شب ہی روز ہی یا وصل یار کا

جو چاہے وہ سلوک کرے حسرت بقا
میں اور ساتھ زندگیٔ مستعار کا

پہلو میں اب کہاں ہی وہ دل وہ ہجوم یاس
کیا جلد مٹ گیا ہی نشان اس دیار کا

باتیں بھی ہیں تو وہ ہیں کہ ہوا در غم سوا
کیا جانیں کس طرف کو ہی دل غمگسار کا

گلشن میں منتشر تو ہیں اوراقِ گل تمام
کیسا تھا کچھ نہ پوچھو زمانہ بہار کا

نہیں منظور دل رسوا جو ہونا اس ستم گر کا
لہو خود پونچھ لیں گے دامنِ زخم اپنے خنجر کا

نہ تھی امید ایسی نزع میں اعضائے تن مجھ کو
کہاں پہنچا کے تم نے ساتھ چھوڑا زندگی بھر کا

نظر آتا ہی ویرانہ سا اب صحن چمن جس جا | یہیں صحبت تھی رندوں کی یہیں تھا دور ساغر کا
عجب کشتی ہی عمر انساں کی چل نکلی تو بس ٹھہری | اٹھانا بادباں کا حکم دے دینا ہی لنگر کا
نہیں آتی ہی بے خواب اجل انساں کو یہ راحت | کنارِ قبر میں آرام ہی آغوشِ مادر کا

ہر شکل کا شیدا ہوں میں دیوانہ ہوں کس کا | ہر شمع پہ سوزاں ہوں میں پروانہ ہوں کس کا
ہوتا ہی جہاں دیکھیے میرا وہیں مذکور | مشہورِ زمانہ ہوں میں افسانہ ہوں کس کا
کیا محوِ تماشا ہوں کہ اتنا نہیں معلوم | حیرت زدۂ جلوۂ مستانہ ہوں کس کا

فقط اپنی خرابی کا ہمیں افسانہ کہنا ہی | یہاں اس کا نہیں ارماں کوئی سنتا تو کچھ کہتا

قصدِ پرواز ہو کہ شوقِ چمن | یہ تو سب بال و پر میں رکھا تھا
آشیاں میں بھی مجھ کو قسمت نے | قفسِ بال و پر میں رکھا تھا
اس کی مژگاں کو دیکھنا تھا فقط | زخم تو خود جگر میں رکھا تھا
چشمِ باطن میں جلوہ گر تھا وہ | ایک پردہ بشر میں رکھا تھا
راستہ اس نے اپنے گھر کا وحید | سچ ہی ہر رہ گزر میں رکھا تھا

رنگ دیوانگی کا مدت سے | فصلِ گل کی خبر میں رکھا تھا
وہ میری آرزو کا جلوہ تھا | آہ نے جو اثر میں رکھا تھا
کیا بتاؤں میں چشم و اشک کا رنگ | کیا صدف کیا گہر میں رکھا تھا
یہ تو بتلا خیالِ حسن اگر | قطعہ میں نے تجھ کو نظر میں رکھا تھا
داغ کو کس نے دی تھی دل میں جگہ | شوق کو کس نے سر میں رکھا تھا

دیکھا جو کچھ وہ کچھ نہیں تھا وحیدؔ　　اک طلسم اس نظر میں رکھا تھا

دو جہاں کی آفتوں سے عشق نے بخشی نجات　　حل ہوا عقدہ تو کس مشکل کے ہاتھوں سے ہوا

آنکھ بھی چاہیے نظارۂ وحدت کے لیے　　بت کو آسان نہیں منہ سے خدا کہہ دینا

نہ تھے جب اس قدر بے خود تو کیا کچھ کہتے سُنتے تھے
اب اشک آنکھوں میں بھر لانا نہ کچھ کہنا نہ کچھ سُننا

جو ان کو منظور ہر طرح تھا کہ مجھ پہ ظاہر ملالِ دل ہو
نظر نہ کی یں نے چشم تر پر تو رُخ پہ آنسو بہا کے مارا

اُڑ گئی سر سے نیند غفلت کی　　دھیان آیا جو خوابِ تربت کا

پلکوں کے اشاروں سے نہ چوکی نگہِ یار　　جب اپنا صف آرا کیا لشکر سے مجھے دیکھا

ہر طرف سے جب اپنا دل ہوا اداس　　اب کسی جا نہیں بہلنے کا
پہلے آنکھوں سے اشک اُبلتے تھے　　اب ہی سامان خون اُبلنے کا
کیا اسیرانِ دام ہوں گے رہا　　یہ پھڑکنا ہی دم نکلنے کا

ہجر میں جو دلِ طپاں سے ہوا　　وہ زمیں سے نہ آسماں سے ہوا

ان کا اظہارِ عشق ہی تھا بلا — کیا کچھ اس راز کے بیاں سے ہوا

اگر ان سے ہم جل کے بولے تو کیا — جلے دل کے ٹوٹے پھپھولے تو کیا
اثر کر گئی تلخیِ ہجر جب — وہ باتوں میں اب قند گھولے تو کیا

فلک کا نہ رکھا زمیں کا نہ رکھا — تری عاشقی نے کہیں کا نہ رکھا
مری وحشتِ دل غضب ہی ستم ہے — مجھے باغ و صحرا کہیں کا نہ رکھا
پھرایا جسے در بدر آسماں نے — اسے رفتہ رفتہ کہیں کا نہ رکھا
وحید ان کی الفت نے سب لطف کھویا — وہ رنگ آسمان و زمیں کا نہ رکھا

ساقیِ ازل جس کی مستی ہے وہی اب تک — کچھ کہہ نہیں سکتے ہیں اُس جام میں کیا کچھ تھا

پلک جھپکی نہ وقتِ مرگ تک ایامِ فرقت میں — لپٹ کر جو خیالِ یار سے تربت میں سونا تھا
نہ پوچھو مہلتِ ہستی کا وقتِ مرگ افسانہ — اسی دھوکے میں آکر زندگی کا وقت کھونا تھا
کچھ ایسی عمر بھر غفلت میں گزری زندگی اپنی — جو دیکھا غور سے تو جاگنا بھی اپنا سونا تھا
محبت دل میں جب ہوتی ہی انساں کیا نہیں کرتا — شکایت کی فقط اک بات ہی آزردہ ہونا تھا
یہ سب قصے بکھیڑے تھے مجازی عشق کے ہمدم — وصال و ہجر سے گزرے تو ہنسنا تھا نہ رونا تھا
ذرا سے رنج پر تم کوئے جاناں سے چلے آئے — وحید ان سے قیامت تک جدا تم کو نہ ہونا تھا

یہی تھا باعثِ رنجش تو رازِ غم نہ کہنا تھا — وہ جس دم پوچھتے تھے حالِ دل خاموش رہنا تھا
اسی آفت نے تو ہر رنج و غم کا کر دیا خوگر — گزر جانا تھا جی سے صدمۂ فرقت نہ سہنا تھا

مرے لب پہ تھے جو ظرافت کے چٹکلے ‏ طبیعت میں بھی راہ پاتے تو کہتا

یہ سب مسکن سمجھنے سے جہاں کے آفتیں آئیں ‏ یہاں مہمان آئے تھے تو مہماں بن کے رہنا تھا
فقط اظہار الفت سے ہوئے وہ جان کے دشمن ‏ اسی قصّے کو ان سے اور پیرائے میں کہنا تھا
جو پوچھا میں نے دل سے زینت دُنیا کو کچھ دیکھا ‏ تو کہتا کیا ہی صورت تو نہ تھی گہنا ہی گہنا تھا

آج تک خواب سے غفلت کے نہ چونکے غافل ‏ اور گردوں نے زمانے کو جھنجھوڑا کیا کیا
دم کے دھاگے بھی دم نزع نہ کچھ کام آئے ‏ رشتۂ عمر گیا ٹوٹ تو جوڑا کیسا کیا

آسماں کیا تو اسے خارِ الم دیتا ہے ‏ داغِ دل کو جو سمجھتا ہے گل تازہ ملا
اُڑ گئے سوئے چمن ہوش اسیرانِ قفس ‏ دستِ صیاد سے جب کوئی گل تازہ ملا

آفت ہے اک تو یوں ہی ترا آکے دیکھنا ‏ پھر اس پہ مسکرا کے یہ شرما کے دیکھنا
دیوا نو آئی پھر وہی گلشن میں فصلِ گل ‏ اب دیکھنا تو رنگ نیا لا کے دیکھنا
دکھلا رہے ہیں صورتِ بربادیِ چمن ‏ کیا رنگ پھول لائے ہیں کھلا کے دیکھنا

کیا مجمع احباب ہوا ہے یہ پریشاں ‏ دنیا میں خزاں ہوگا نہ گلشن کوئی ایسا
موسیٰ کی طرح کون ہے خواہانِ تجلّی ‏ گو دُور نہیں وادیِ ایمن کوئی ایسا

کتنے خورشید لقا دفن ہیں تجھ میں اے خاک ‏ ذرّہ ذرّہ نظر آتا ہے فروزاں تیرا
سب وہ مجنوں ہی کے دم تک تھی تری آبادی ‏ کوئی لیتا نہیں اب نام بیاباں تیرا

وقت ایجاد تبسم لب جاناں تیرا ناز میں بھی ہے اب اعجاز نمایاں تیرا
مرنے پر بھی نہیں بھولا مجھے دنیا کا خیال کچھ اثر اب بھی ہے اے خواب پریشاں تیرا
جو نہ دکھلائے یہاں باغ حقیقت کی بہار وہ بھی گل ہے کوئی اے گلشن امکاں تیرا
عشق کی راہ سے مسلک ہے جو دونوں کا جدا پھر تو کافر ہی نہ تیرا نہ مسلماں تیرا

خود محرم اسرار بنالیں گے نہ جب تک دیکھے گا نہ جلوہ کوئی بیگانہ تمہارا

سب تصور سے جدائی کے یہ صدمہ تھا وحید دل پہ رکھ لیتے جو پتھر ہم تو کیا تھا کچھ نہ تھا

کچھ اس نے کہہ کے پھر مجھے دیوانہ کر دیا اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا
وہ شب کو بے حجاب جو محفل میں آگئے کیا نور تھا کہ شمع کو پروانہ کر دیا
اس دل کی ہے بہار و خزاں ان کے ہاتھ میں گلشن بنا دیا کبھی ویرانہ کر دیا
چاہا جسے کہ دل سے یہ ہو جائے آشنا دونوں جہان سے اسے بیگانہ کر دیا
کیا میرے دل کے ساتھ کیا عشق نے سلوک اک آشنا تھا اس کو بھی بیگانہ کر دیا

اسی طلاطم حسرت میں ہیں ابھی تو وحید نہ پوچھو دل کا کہاں تک سفینہ آ پہنچا

یہ اشک چشم کو دل نے پسند کیوں نہ کیا اسی حباب میں دریا کو بند کیوں نہ کیا
یہ سوئے دیر و حرم کیوں گئے برہمن و شیخ خیال یار میں آنکھوں کو بند کیوں نہ کیا
کہاں سے محتسب وقت آگیا ساقی یہ کیا کیا درِ میخانہ بند کیوں نہ کیا
جہاں خیالِ قد یار میں ہوئے تھے تمام وہیں سے شورِ قیامت بلند کیوں نہ کیا

اس رات کی آنکھوں کو نہ بھولے گی سیاہی　　جس شب کو جدا مجھ سے وہ مہ پارا ہُوا تھا

لب پہ کیا عذر گنہ لائیے آہوں کے سوا　　عمر بھر ہم نے کیا کیا ہی گناہوں کے سوا
کون سی بات پہ دریا میں ابھرتے ہیں حباب　　پاس جب کچھ نہیں نخوت کی کلاہوں کے سوا
غیر دل کا تو نکل جاتا ہو کچھ اس سے بخار　　گو نہیں اور کچھ آتا نہیں آہوں کے سوا
کیا بتاؤں مرے پہلو سے لیا دل کس نے　　کوئی آتا بھی تو دزدیدہ نگاہوں کے سوا

کس طرح کاٹیے ساون کی اندھیری راتیں　　اب تو دلسوز نہیں شمع بھی جگنو کے سوا
یہ نہ پوچھو مجھے الفت نے دکھایا کیا کیا　　کچھ جواب اس کا نہیں آنکھوں میں آنسو کے سوا

عجب بہار کا عالم نظر سے گزرا ہی　　ہمیشہ تازہ رہے بوستاں خیالوں کا

میں کیا بتاؤں مرے دل کا داغ کیسا تھا　　ابھی ابھی تر و تازہ یہ باغ کیسا تھا
عجیب لطف کا تھا وقت عالمِ طفلی　　تعلقاتِ جہاں سے فراغ کیسا تھا
ہزاروں لطف کے سامان بزم میں تھے مگر　　شراب سرخ سے رنگ ایاغ کیسا تھا
شگفتگی بھی تھی کیا چیز فصلِ گل جب تھی　　جو پھول باغ میں تھا باغ باغ کیسا تھا

سینے میں یاد رخ سے یہ دل جب خموش تھا　　آئینہ اپنے گھر ہی میں حیرت فروش تھا
وہ اپنے رنگ میں تھا یہاں جس کو جوش تھا　　آفت میں تھا وہی جو گرفتار ہوش تھا
جس دن ہوا تھا ان کا مرا سامنا وحید　　کیا جانے میں کہاں تھا کدھر دل کا ہوش تھا

کیا پوچھتے ہو عمر ہوئی کس طرح بسر
بندہ خطا شعار تھا وہ پردہ پوش تھا
کیا موسم شباب بھی گزرا ہی اے وحید
کیفیتیں تھیں، لطف کا عالم تھا، جوش تھا

ہوتے وصل کے خوگر نہ جاتی ہجر میں جاں
جو ہم نے غور کیا تو علاج یہ بھی تھا
چمن میں کیوں نہ خرابی گل یہ رو دیتا
مری طرح سے شگفتہ مزاج یہ بھی تھا

چمن میں اب تو ہزاروں ہیں نغمہ سنج بہار
وہ اور وقت تھا جب ہم صفیر کوئی نہ تھا

رکھتے نہ ادھر پانو تو مشکل تھا پہنچنا
منزل کا پتہ راہِ خطرناک سے پایا

مٹ جاتے تھے اک بات پہ آگے گلہ کیسا
اب حوصلہ کے لوگ کہاں حوصلہ کیسا

ویسی ہی عشق یار کی اب تک ہیں منزلیں
یہ راستہ وہ تھا جو کبھی طے نہ ہوسکا

کیا شش جہت میں یار کو کرتے تلاش ہم
باہر جو ہر جہت سے تھا وہ رستہ ایک تھا

اور سے کیا آسرا ہو راحت و آرام کا
دل جو پہلو میں ہی وہ کب ہی ہمارے کام کا
دیکھ کر خورشید کو کہتے ہیں سرمستِ ازل
پڑ گیا ہی عکس شاید یہ ہمارے جام کا
تیرے سودائی کا ماتم کر رہی ہیں وحشتیں
غل مچا ہی خانۂ زنجیر میں کہرام کا

جلوۂ عارض نظر زیرِ نقاب آیا تو کیا
منہ پہ رکھ کر چاند دامانِ سحاب آیا تو کیا

وحشتِ دل کچھ تو بٹ جاتی جو ہوتا قیس بھی ۔ اب اگر صحرا میں یہ خانہ خراب آیا تو کیا
سب خدا سے شرم آتی ہی نہیں وقتِ گناہ ۔ دیدۂ انساں سے انساں کو حجاب آیا تو کیا

سچ تو ہی کس طرح سے آتے عیادت کے لیے ۔ تم کو حالِ عاشقِ بیمار کیا معلوم تھا
شوق نے جب تک نہ کی تھی دل کے آئینہ کی سیر ۔ ہی ہمیں میں جلوہ گر وہ یار کیا معلوم تھا

رہ گئے ہیں کچھ ستم، کچھ ظلم ان کا ہو چکا ۔ دیکھیے کیا کیا ابھی ہونا ہی کیا کیا ہو چکا
لے لیا دل ہم نے جب روزِ ازل دیکھی یہ بات ۔ شیخ کا کعبہ برہمن کا کلیسا ہو چکا

ای دل تجھے رونا ہی تو جی کھول کے رو لے ۔ دنیا سے نہ بڑھ کر کوئی ویرانہ ملے گا
دنیا میں کسی نے تو پتہ بھی نہ بتایا ۔ اب حشر میں کیا کوچۂ جاناں نہ ملے گا
بھر دیں گے وحید اشکوں سے ہم ہجر میں رو کر ۔ خالی جو ہمیں عمر کا پیمانہ ملے گا

اب ای دستِ جنوں کچھ تیری خدمت ہو نہیں سکتی ۔ گئے وہ دن کہ اپنے پاس دامن تھا گریباں تھا
ہولے خانہ بربادی اُڑا لائی ہی صحرا میں ۔ کبھی میں نکہتِ گل کی طرح گلشن میں مہماں تھا
نہ دیکھا پھر کسی کے دل کو یوں سیلِ خرابی میں ۔ مری کشتی ڈبو دینے کو سارا جوشِ طوفاں تھا

میں جس کی یاد میں جاتا ہوں جان سے اپنی ۔ کبھی خیال بھی اس کا ادھر نہیں آتا
جسے حواس میں دیکھا تھا آپ نے کل تک ۔ وہ اپنے ہوش میں دو دو پہر نہیں آتا

جسے دیکھو نظارہ کر رہا ہی ۔ تماشا ہی رُخِ روشن کسی کا

نہیں موقوف کچھ دیر و حرم پر ہر اپنے دل میں بھی مسکن کسی کا
وحید اب ہم تو جاتے ہیں یہاں سے رہے پھولا پھلا گلشن کسی کا

گریباں کے اڑائے خوب پرزے نہ آیا ہاتھ جیب و دامن کسی کا

باغ میں غنچہ ابھی تھا خندہ زن کیا ہو گیا بوئے گل کیا ہو گئی رنگ چمن کیا ہو گیا
موسم گل ہے ابھی کیا پوچھتے ہو ناصحو وحشیوں کو کیا خبر ہے پیرہن کیسا ہو گیا
قبر کے سانچے میں بیٹھے ہو کے کہتے ہیں حسیں آج کے دن وہ ہمارا بانکپن کیا ہو گیا

غزل مسلسل

لالہ خوش رنگ تھا جانِ چمن کیا ہو گیا جلوۂ شمع شبستانِ چمن کیا ہو گیا
کیا ہوئی وہ نرگسِ شہلا کی چشم سرمہ سا دیدۂ شوخ غزالانِ چمن کیا ہو گیا
سنبلِ سیراب کا کیا ہو گیا وہ پیچ و تاب گیسوئے مرغولہ مویانِ چمن کیا ہو گیا
اے صبا نشو و نمائے غنچہ و گل کیا ہوئی آب و رنگ خوب رویانِ چمن کیا ہو گیا
بلبلوں کے غنچۂ دل میں جو تھیں بوئے نیاز عشوۂ رنگیں ادایانِ چمن کیا ہو گیا
اپنے موقع پر نظر آتا نہیں کوئی نہال انتظام نخلبندانِ چمن کیا ہو گیا
وہ روانی موجۂ انہار گلشن میں نہیں جوہر شمشیر عریانِ چمن کیا ہو گیا
تختہائے ارغوان و لالہ و گل کیا ہوئے کشورِ آباد سلطانِ چمن کیا ہو گیا
جامۂ شادی گلگوں کون اڑا کر لے گیا وہ لباسِ نو عروسانِ چمن کیا ہو گیا
جس کو دیکھو بے اجازت اب وہ رکھتا ہے قدم بند و بست اہل کارانِ چمن کیا ہو گیا
کیا ہوئی وہ باغباں کی عقل جو سابق میں تھی اب وہ افلاطونِ یونانِ چمن کیا ہو گیا
آب و تابِ چہرۂ گلہائے خنداں کیا ہوئی جلوۂ روئے حسینانِ چمن کیا ہو گیا

کیا ہوا دامانِ گل میں قطرۂ شبنم جو تھا
وہ دُرِ نایابِ نیسانِ چمن کیا ہوگیا

کس لیے وہ روشنی چشمِ عنادل میں نہیں
سرمۂ گردِ صفاہانِ چمن کیا ہوگیا

پھیر دی کس سمت گلگونِ عزیمت کی عناں
وہ ہجومِ نو سوارانِ چمن کیا ہوگیا

کون سے ناواقفوں نے کاٹ ڈالا سرو کو
مصرعۂ موزونِ دیوانِ چمن کیا ہوگیا

کیا ہوئی باغِ جہاں سے خُرّمی کی وہ صدا
نغمۂ مرغِ خوش الحانِ چمن کیا ہوگیا

غنچۂ و گل، یار و ساقی، شیشۂ و جامِ شراب
اے وحید اپنا وہ سامانِ چمن کیا ہوگیا

ہوگئی اک شکل سے دنیا کی صورت دوسری
آپ میں آیا نہ خود رفتہ تری تصویر کا

خاک میں وہ مل گئے لگتی نہ تھی جن کو نظر
چشمِ عبرت سے تماشا دیکھیے تقدیر کا

کس طرح رکھوں قدم اپنا میں صحرا کی طرف
اے جنوں مجھ سے تو گھر آباد ہے زنجیر کا

اے صنم صورت کسی کی خوش نہیں آتی ہمیں
جم گیا ہے رنگ آنکھوں میں تری تصویر کا

قیس نے صحرا لیا فرہاد نے کہسار کو
بعد میرے سب علاقہ لٹ گیا جاگیر کا

ہل گئے ارض و سما تھرّا گئے کون و مکاں
قہر تھا دل سے نکلنا نالۂ شبگیر کا

بے سبب روشن نہیں ہیں دیدۂ اہلِ نظر
پتلیوں میں عکس ہے اس چاندی تصویر کا

تجھ کو جب رنگیں خیالی سے چڑھایا دھیان نے
پیرہن تک ٹھیک اُترا ہے تری تصویر کا

آئینہ میں ہے شعاعِ مہر تاباں اے وحید
عکس ہے یا دل میں اس رخسار کی تنویر کا

ایک جزو سے جُدا ہے دوسرے جزو کا رنگ
اپنے اپنے رنگ میں جلوہ ہے ہر تصویر کا

اپنی صورت سے گزر جائے اگر معنی کی فکر
رنگ سے باہر بھی ہے اک رنگ اس تصویر کا

کھل گیا کیا ہی اپنے رنگ میں صورت طراز
مختلف ہے دیکھنے میں رنگ ہر تصویر کا

ہجرِ ساقی میں وحیدؔ آیا جو ذکرِ مے کشی
میں نے اشکوں سے لبالب جام صہبا کر دیا

بند کر لیں اپنی آنکھیں ہم نے جس دم ای وحیدؔ
دو جہاں کا مظہر انوار ہو نا کھل گیا

حال سا بق نہیں کچھ یاد ضعیفی میں سب مجھے
میں بھی یارب کبھی دنیا میں جواں تھا کہ نہ تھا
اپنے دل ہی سے نہ تم پوچھ لو احوال فراق
واسطے میرے تمھیں بھی خفقاں تھا کہ نہ تھا

نہ جھپکیں اور بھی آنکھیں مری تا صبح فرقت میں
ستاروں نے جو اپنا جلوۂ بیداد دکھلایا
کیا زاہد نے جب تسبیح پر اسلام کا دعویٰ
بڑھا کر میں نے دانہ رشتۂ زنار دکھلایا

جو دم بھرا ورنہ ساقی شراب سے بھرتا
لبالب آنسوؤں سے جام ہو گیا ہوتا

قطعہ

تھا چین سے پہلو میں ہمارے بھی کبھی دل
اپنا بھی کبھی زانوئے دلدار پہ سر تھا
تا زیست جسے کہتے تھے سب عیبِ محبت
ہم بے ہنروں کا تو وہی ایک ہنر تھا
کیا تم سے کہیں دوستو احوال ہم اپنا
رہتے تھے کہاں کون تھے کیا پیشِ نظر تھا
کیا دیکھتے تھے کون سی جا پر تھی طبیعت
آنکھیں کدھر اپنی تھیں خیال اپنا کدھر تھا
گو روشنیِ ماہ کا گردوں پہ نہ تھا نام
پر شعلۂ طور اپنا ہر اک داغِ جگر تھا
وابستہ تھا اس گیسوے پیچاں سے دم اپنا
دشوار بہت جس پہ صبا کا بھی گزر تھا
اس ملتھے کے افشاں پہ تھی ہر دم نظر اپنی
جس کے لیے ہر قطرۂ اشک اپنا گہر تھا
اس عارض رنگیں پہ تھیں ہر وقت یہ آنکھیں
جس سے کوئی گلشن میں نہ بڑھ کر گل تر تھا
کس اوج پہ تھا اپنے نصیبوں کا ستارہ
نظارہ سے ہر دم کے جو اک ذوقِ دگر تھا

گھر اپنا نظر آتا تھا کیسا نور سے معمور — نہاں پہلوؤں سے جو وہ رشکِ قمر تھا
اب اس کے جدا ہوتے ہی ہوتا ہی یہ معلوم — دل سینے میں مدت سے یونہی زیر و زبر تھا
کچھ روزوں کو آیا تھا نظر خواب کا ساماں — جب کھل گئیں آنکھیں تو نہ وہ ہم تھے نہ گھر تھا

کس کے لیے بے خواب ہو کیوں جاگ رہے ہو — قصہ تو کہو دیدۂ بیدار تم اپنا

ہوا کیا رات بھر میں روتے روتے شمع کا عالم — سُنے گی ذکر ہر محفل میں میری اشکباری کا
جو میرے ایک آنسو پر ہزار آنسو بہاتا تھا — خدا کی شان وہ احوال دیکھے بے قراری کا
تم ان آنکھوں کی مستی تو دکھا دو میرا ذمہ ہی — جو زاہد عمر بھر ہر نام لیں پرہیزگاری کا
میسر پھر نہ ہو گی خواب میں الفت کی بے ہوشی — نہ لینا نام اے دل عمر بھر اب ہوشیاری کا
خوش آئے گی نہیں کیا صحبتِ احباب کی اس کو — مزہ پایا ہی تنہائی میں جس نے اشکباری کا
ہم اس کا حال اک مدت سے یونہی سنتے آئے ہیں — زمانہ آج سے بھرتا ہی دم ناپائداری کا
نظر آتے ہیں بیگانے بھی صورت آشنا جس جا — دکھایا ہی محبت نے وہ کوچہ دوستداری کا
خدا جانے ہماری خاک کے ذرے کہاں ہوتے — اگر ہوتا نہ کم وقفہ زمانہ بے قراری کا
قرار اک دم نہیں جو صورتِ سیماب اشکوں کو — رواں ہی قافلہ آنکھوں سے دل کی بے قراری کا
نظر آتی ہی تاروں کی چمک اشکوں میں آنکھوں کے — اثر باقی ہی اب تک رات کی اختر شماری کا
بجھے کیوں کر ہمارا شعلۂ غم موسمِ گل میں — یہ بھڑکایا ہوا ہی دامنِ بادِ بہاری کا
رہا کرتا ہوں جس عالم میں اب یہ بھی نہیں واقف — کہ بے ہوشی کا وہ عالم ہی یا ہی ہوشیاری کا

اٹھا لے جائیں گلشن سے کدھر ہم آشیاں اپنا — ہوا ہی عین فصلِ گل میں دشمن باغباں اپنا
کوئی شب اور وہ رشکِ قمر ہی میہماں اپنا — دکھا لے چار دن کی چاندنی یہ بھی سماں اپنا

نہیں ہیں کون سی جا موت کی حسرت میں سرگرداں — فلک کیتا ہی وعدہ دیکھیے پورا کہاں اپنا
بُرے دن میں زمیں کب پانو کے نیچے ٹھہرتی ہی — کیا کرتے ہیں شکوہ ہم نہیں ہی آسماں اپنا
چمن نازاں ہی کیا اپنی بہارِ چند روزہ پر — لیے جاتا ہی دل شوقِ بہارِ جاوداں اپنا
پلک کو دے کے جنبش پھر گئی ہم سے جو آنکھ ان کی — ہوا پر اُڑ گئی کشتی اٹھا کر بادباں اپنا
نہیں ہوش و خرد کی برہمی سودائے گیسو میں — اندھیری رات میں یہ لُٹ رہا ہی کارواں اپنا
بنایا دونوں عالم سے جدا اک اور ہی عالم — جو پوچھا بیخودی سے ایک دن نام و نشاں اپنا
سمجھ رکھو وہیں وہ خود نما بھی جلوہ گر ہوگا — صفائے دل دکھاتی ہوگی آئینہ جہاں اپنا
حلاوت ہے مزے سے لطف و شیرینی سے مملو ہی — زباں اپنی، سخن اپنا، کلام اپنا، بیاں اپنا

اک زمانے کے جو پیچھے نہ روا نہ ہوگا — کیوں جی وہ بھی کوئی عالم میں زمانہ ہوگا
خالی الفت کے نہ جھگڑے سے زمانہ ہوگا — ہم جو دُنیا میں نہ ہوں گے تو فسانہ ہوگا
کب نظر آئے گا ہر سمت جمالِ رُخِ دوست — کون سے روز یہ گھر آئینہ خانہ ہوگا
یہ بھی کیا وقت ہی پھر ہوں گے ہم اور آپ کہاں — اپنی اور آپ کی الفت کا فسانہ ہوگا
نغمہ سنجی نہیں پانے کی یہ رنگ اعجاز — لحنِ داؤد نہ بلبل کا ترانہ ہوگا
اپنی تکلیف سے ہی نزع میں سب کو تکلیف — کون سے وقت مسافر یہ روانہ ہوگا

تجھ کو جانا ہی تو جا اے دل شوریدہ وہاں — آرہیں گے کسی دن ہم بھی جو آنا ہوگا
اپنا کیا ہی جو دیر و حرم میں جائیں — اس کو پا جائیں گے دل ہی میں جو پانا ہوگا
ہوگی پوری جب اسیرانِ قفس کی میعاد — رنگ برباد بہاری تجھے آنا ہوگا
اتنی ہی شوق کی بھی ہوگی ترقی دل میں — جس قدر ہم کو محال آپ کو پانا ہوگا
اب خبر یار کی لائے گی اگر باد صبا — دلِ گم گشتہ کو بھی ڈھونڈ کے لانا ہوگا

جائے گی لے کے اجل اپنے ہی مرکز کی طرف — شُکر کی جا ہے کہیں اور نہ جانا ہوگا
بوالہوس پانو تو رکھتے ہیں رہِ الفت میں — ہاتھ دنیا کی محبت سے اُٹھانا ہوگا
یہ عجب گھر ہے کہ روتے ہوئے آئے جو یہاں — تو دمِ نزع سسکتے ہوئے جانا ہوگا

ہو رہا تھا وصفِ چشم و لب یہاں اِک شخص کا — سحر تھا اعجاز تھا حسنِ بیاں اِک شخص کا
بوئے گل ہے جس طرح لطفِ چمن کی رازدار — کچھ دنوں میں بھی رہا ہوں رازداں اک شخص کا
آج تک عالم یہ ہے بے تاب ہو جاتا ہے دل — کیا کہوں مذکور ہوتا ہے جہاں اک شخص کا

خدا جانے کیا ہو گیا خوفِ دل کا — میں آج ان کو پھر بے خطر دیکھتا تھا
کجا دیر و کعبہ کجا خانۂ دل — کہاں یار تھا میں کدھر دیکھتا تھا

چلتے ہیں ہم بھی سوئے چمن چھا گئی گھٹا — ساقی شراب لے کے پہنچ آ گئی گھٹا
جلوہ جو اگلے لطف کا دکھلا گئی گھٹا — بجلی کے ساتھ داغ بھی چمکا گئی گھٹا
دریا ہوا سرور کا جس وقت موجزن — اپنی نظر کے سامنے لہرا گئی گھٹا
پانی برس چکا تھا ابھی خوب باغ میں — دورِ شراب دیکھ کے پھر آ گئی گھٹا
اس سال آ کے دیکھیے کرتی ہے کیا سلوک — اگلے برس تو خوب سا رُلوا گئی گھٹا
ایسے خیالِ عیش میں ہوتے ہیں دن بسر — دیکھا جدھر اٹھا کے نظر چھا گئی گھٹا
اب بھی نہ مے کشی کا کروں شغل اے وحیدؔ — آئی بہار پھول کھلے چھا گئی گھٹا

زینت ان ہاتھوں کی کیا ہوگی حنا کے رنگ سے — بلکہ ان ہاتھوں سے ہوگی زینتِ رنگِ حنا

فکر اگر ہے تو اسی کے ذکر کی ہے رات دن ذکر اگر کچھ ہے تو ہر دم ہے اسی کی یاد کا
اے وحید اک ایک گل سے ہو گئی دلبستگی اور دیکھو لطف اگر گلشن ایجاد کا

دیکھیے تو جلوہ گر ہوتی ہیں کیا کیا صورتیں ایک ہونا بھی غضب ہوتا ہے چار اضداد کا

دل میں خیال آکے مژہ کا نکل گیا نشتر رگوں میں ڈوب کے اچھا نکل گیا
یاد آگئیں جو دشت مصیبت کی منزلیں کوسوں خیال میں دل شیدا نکل گیا
دل میں وہی کھٹک نظر آتی ہے آج تک ہم جانتے تھے خار تمنا نکل گیا
لہریں وہ دل کے ساتھ گئیں دل کی تہ میں تیر موجوں کو اپنی لے کے وہ دریا نکل گیا

کانٹے گلوں کی جا نظر آتے ہیں باغ میں کیا دیکھتے ہی دیکھتے نقشہ بدل گیا
رکھا تمھارے کوچۂ الفت میں جس نے پانو وہ منزلوں کی راہ تصور میں چل گیا
کھویا تھا آپ سے مجھے آج انتظار نے صورت تمھاری دیکھ کے کچھ جی بہل گیا
لیں اپنے ایک رنگ پہ رہنے کی کس سے داد ہم آج تک وہی ہیں زمانہ بدل گیا
کیا باغ دہر میں شجر آرزو نہ تھا جس نخل کے نصیب میں پھلنا تھا پھل گیا

میں آنکھوں سے دیکھوں طرف ارض و سما کیا آتا ہے مجھے یار نظر تیرے سوا کیا
بے مثل کی دے مثال اس کے سوا کیا بت بھی جو نہیں ہے تو پھر آخر ہے خدا کیا
لذت کا کوئی اس کی بیاں کر نہیں سکتا کیا پوچھتے ہو عشق میں ہوتا ہے مزا کیا

احوال کسی نے مرے رونے کا کہا کیا وہ دیکھ کے ہنستے تھے مجھے رات یہ تھا کیا

کہ ایک پہ آتا ہی نظر حور کا عالم | دنیا کے مرقع میں بھی تصویریں ہیں کیا کیا

گمانِ عارضِ رنگیں گلوں پہ ہوتا ہی | بہار جلوہ دکھاتی ہی بے نقاب ان کا
خراب حال ہی تو مدتوں سے جن کے لیے | پتہ بھی کچھ ہی دلِ خانماں خراب ان کا
خمارِ عشق کا احوال کیا کہیں ان سے | اُتر نہ جائے کہیں نشۂ شراب ان کا

اپنے قاتل کو میں پہچانتا ہوں | نام لیکن نہیں بتا سکتا
یاد تیری جو نہ فرماتی لطف | میں کبھی دل کو نہ بہلا سکتا
دیکھ لیتا جو تری شادابی | دھوپ سے پھول نہ کمھلا سکتا
ایسا ہوتا جو نہ ایمائے جنوں | مجھ سے تنکے کوئی چنوا سکتا

عمر کے دن روز و شب بے فائدہ کھوئے تو کیا | تجھ سے جب غافل ہوئے جاگے تو کیا سوئے تو کیا
خوب ہی رونا وہی جس سے کوئی واقف نہ ہو | یوں دکھانے کے لیے اک خلق کے رُوئے تو کیا
جز سیہ کاری نہیں جب زندگی بھر اور کام | آنسوؤں سے کوئی دم داغِ گنہ دھوئے تو کیا
پہلے جب انجام کار اپنا نہ سمجھے ہم وحید | ہاتھ رکھ کر سر پہ وقتِ نزع اب روئے تو کیا

نام اس کا اور اپنا اور تھا | جب ہمیں ہم تھے تو پھر کیا اور تھا
اب بھی یہ عالم ہی قابل دید کے | سنتے ہیں آگے تماشا اور تھا
فکر کے دریا میں جب تھے غوطہ زن | جوش پر اس وقت دریا اور تھا
یاں نظر آتی تھی وہ صورت کچھ اور | آئینہ خانے میں جلوہ اور تھا
چھانتے پھرتے ہیں کسی صحرا کی خاک | راستہ شاید وہاں کا اور تھا

جب نگاہیں اور آنکھیں اور تھیں وہ اشارہ اور ایما اور تھا

فصل گل جا چکی تو اے صیاد اب ہے کس کام کا رہا ہونا
مرنا جینا ہے اس کے آگے ایک آگیا ہے جسے فنا ہونا
اب کسی فصل میں نہیں ممکن نخل امید کا ہرا ہونا
اک نہ اک دام میں پھنساتا ہے اس گلستاں میں خوش صدا ہونا

غزل مسلسل

کیا قیامت ہے مبتلا ہونا پھر ادھر وصل اُدھر جدا ہونا
کیا غضب ہے جو دشمن جاں ہوں ان پہ سو جان سے فدا ہونا
کبھی ابرو کی دیکھ کر تلوار قتل بے جرم و بے خطا ہونا
کبھی مشہور ہو کے اہل وفا کشتۂ خنجر جفا ہونا
کبھی بہر نظارۂ رخسار صورت چشم پُر ضیا ہونا
کبھی اپنی سیاہ بختی پر قائل چشم سرمہ سا ہونا
کبھی دنیا کے ناز اٹھانے کو مائل غمزہ و ادا ہونا
کبھی آئینہ بن کے صورت کا صفت حُسن خود نما ہونا
کبھی دل ہو کے اہل معنی کا دیکھنا جس کو آشنا ہونا
کبھی سن کر پیام حسرت و یاس رنگ رُخ کی طرح ہوا ہونا
کبھی گل کی طرح گریباں چاک کبھی بلبل کا ہم نوا ہونا
کبھی بہر سوال دولت وصل ہمہ تن حرف التجا ہونا
کبھی بہر وداع آفت ہجر روز و شب نالہ و دعا ہونا
کبھی بہر حصول مقصد دل آپ تصویر مدعا ہونا

کبھی تا آستاں پہنچنے کو / اک زمانے کی خاکِ پا ہونا
کبھی فرقت میں کھو کے جان سے ہاتھ / طالبِ زہرِ جاں گزا ہونا
کبھی محروم ہو کے مطلب سے / شاکیٔ بختِ نارسا ہونا
کبھی تنگ آگے شوقِ ساحل میں / کشتیٔ دل کا ناخدا ہونا
سب یہ جھگڑے ہیں عمر بھر کے وحیدؔ / جب تک آنا نہیں فنا ہونا

جب آپ ہی کو عشق میں اس کا نہیں خیال / اب کیا بتائیں جی سے ہی جانے کی وجہ کیا
جو بات ایک عمر سے اپنی نظر میں ہے / اب اس کو بار بار چھپانے کی وجہ کیا
منظور تم کو اب بھی جو میرا نہیں ہے رنج / آنکھوں میں اشک بھر کے رُلانے کی وجہ کیا
مقصودِ دل وہاں جو نہیں ہے ہر ایک کا / سوئے عدم جہان سے جانے کی وجہ کیا

زمانے میں پتہ کوئی تمہارا پانے والا تھا / یہ اپنا ہی تصور لامکاں کو جانے والا تھا
جو مے نوشی کی قسمیں فرقتِ ساقی نہ کھلواتی / کبھی میں نام تو یہ اپنے لب پر لانے والا تھا
نہ پوچھو مژدۂ فصلِ بہارِ گل کا افسانہ / قفس میں بلبلِ نالاں کا دم پھڑکانے والا تھا
جنابِ عشق آ پہنچے تو لے آئے ترے در تک / خضر بھی مل گئے جو راستہ مل جانے والا تھا
اجل آکر اگر پیچھا چھڑا دیتی نہ اے غافل / ترا دل کارِ دنیا سے کبھی اُکتانے والا تھا

جدائی میں دل گم گشتہ کیا کام آنے والا تھا / مگر ہاں جان کے ہمراہ اک گھبرانے والا تھا
زمانہ کس قدر تاریک تھا آگے سے نظروں میں / فلک جن دن ہمیں روزِ سیہ دکھلانے والا تھا
نہ پوچھو تازگی افسردگی کچھ غنچۂ دل کی / شگفتہ ہونے والا تو نہ تھا کمھلانے والا تھا
خبر کرتا ہماری کون پھر یارانِ رفتہ کو / غبارِ کارواں بھی ہم سے آگے جانے والا تھا

تماشا دیکھنے والا وہی تھا تیرے جلوے کا
ازل کے دن جو بے جینی کی دولت پانے والا تھا
رہائی پنجۂ صیاد سے بلبل کو کیا ہوتی
یہ ظالم جو کئے والا تھا دھوکا کھانے والا تھا
کروگے فکر اک دن آج مجھ کو مر تو جانے دو
کبھی ہم بھی تھے ایسے زہر کوئی کھانے والا تھا

دل تھام لوں ہاتھوں سے وحید اپنا ذرا میں
یوں نام نہ لے بیٹھیو فی الفور کسی کا

ایام بہار بھی آ پہنچے پیراہن گل تک چاک ہوئے
اب بھی جو تجھے پرنے نہ کیا تو میں نے گریباں کچھ نہ کیا
دیوانگی دی نوشی کے بھی عالم کا تماشا کرنا تھا
دانائی کے کوچے ہی میں ہا ہر قت تو نادان کچھ نہ کیا
لازم تو یہ تھا شعلہ کی طرح اس راز کو روشن کر دیتا
پھونکا جو اسی صورت سے مجھے سوز غم پنہاں کچھ نہ کیا
اس باغ میں اپنے حال پہ تھا رونا بھی تجھے شبنم کی طرح
ہنسنے ہی میں کر دی عمر بسر تو اے گل خنداں کچھ نہ کیا

اتنا تو ہو طالب کو جہاں سامنے آ جائے
مطلوب پکار اٹھے طلب گار وہ آیا
قسمت یہ وحید اپنی کہاں ہے کہ وہ آ جائے
تسکین کو کہہ دیتے ہیں سب یار وہ آیا

ہم پر تو جو ستم ہوئے الفت میں وہ ہوئے
تم تو یہ کہہ کے چھوٹ گئے ہم نے کیا کیا
اے اشک تجھ سے ہو سکے تازہ نہ داغ دل
پھولوں کو دیکھ گریۂ شبنم نے کیا کیا
کھولی ہے بے ثباتیِ گلشن پہ جس نے آنکھ
وہ خوب جانتا ہے کہ شبنم نے کیا کیا

دل میں ہے جو داغ جستجو کا
روشن ہے چراغ آرزو کا
ہے ختم وحید خوش بیانی
قائل ہوں میں تیری گفتگو کا

تجھے نگاہ میں دی ہے جگہ زمانے نے — تری طرح سے کوئی انتخاب کیا ہوگا
سب اپنے دم سے ہیں جو آفتیں ہیں فرقت میں — ہمیں نہ ہوں گے تو اے دل عذاب کیا ہوگا

ردیف (ب)

جب اتنے دن فراق کے یونہی گزر گئے — اب آہ بے اثر سے ہے خواہش اثر کی خوب

پیشِ نگاہ قلزم ہستی میں کیا نہیں — جب دیکھتے ہیں سب کا نتیجہ تو کیا حباب

اب ہیں جہاں میں اپنے یہ القاب اے وحید — غربت نصیب، خاک بسر، خانماں خراب

بن پڑے عشق جو دنیا میں تو یہ کام ہے خوب — اس میں رسوا ہوا تو رسوائی میں بھی نام ہے خوب
ہوتی ہے قدر محبت کی فنا ہونے پر — اس کا آغاز بُرا ہے مگر انجام ہے خوب
کچھ عجب بات ہے، ہیں کفر پہ نازاں کافر — اہلِ اسلام سے سُنتے ہیں کہ اسلام ہے خوب

آپ آگ لگاتے ہیں اگر دل میں کسی کے — کیا یہ بھی ہے پھر اس کو بجھاتے نہیں صاحب
بیخود ہمیں رکھتی ہے انھیں آنکھوں کی مستی — ہم آپ سے کیا ہوش میں آتے نہیں صاحب

حال سچ کہنے پہ یہ ترچھی نگاہ — اتنی سیدھی بات کا الٹا جواب
مُسکرائے اس گھڑی بے طور آپ — کچھ سوالوں کا مرے سوچا جواب

مجھ سے اب ہوگا زیادہ کیا حریصِ مے کوئی — ہاتھ میں ہر وقت ساغر لب پہ ہے ہر دم شراب

مشہور گو بہت تھی شبِ اولین گور | ہوتی ہی ہجر یار کی بھی رات اک عذاب
دل کا ہی اک تو فرقتِ ساقی میں اور رنگ | لائی ہی سر پہ اور بھی برسات اک عذاب

کس کس جگہ کی سیر تھی کیا کیا تھیں صحبتیں | اب ڈھونڈیے تو سب ہی وہ عالم خیال و خواب
جب قصرِ عیش و کلبۂ غم سے نہیں ہی کام | جنّت خیال و خواب جہنّم خیال و خواب

مرے بعد رونق تھی کچھ قیس سے | مگر اب ہی صحرا کی مٹّی خراب
وہی اب بھی دُنیا ہی گو زیرِ چرخ | ہوئی ایک دنیا کی مٹّی خراب

ردیف (پ)

اس درجہ نقشِ آئینۂ دل ہوئے ہیں آپ | ہم جس طرف گئے ہیں مقابل ہوئے ہیں آپ
جب کر چکے ہیں پردۂ گل میں ہزار ظلم | بے چین ہو کے شورِ عنادل ہوئے ہیں آپ

ایک میرے دل کی بے تابی نہ پیدا کر سکی | برقِ خائف عمر بھر اپنی دکھایا کی تڑپ
اضطرابِ قیس ہو جاتا نگا ہوں میں سبک | دیکھتا کوئی اگر محمل میں لیلیٰ کی تڑپ
ہر نفس کی بیخودی سے حالِ دل ظاہر ہوا | کھل گئی موجوں کی بے تابی سے دریا کی تڑپ

کچھ پوچھو نہ دیوانوں کی اس موسمِ گل میں | شب بھر کی کہیں اور ہی دن بھر کی کہیں اور ہی سب

کوئی اس پردہ میں گُل کاریاں کرتا ہی ضرور | خاکِ گلزار بدلتی نہیں رخت آپ سے آپ
آپ گل گشتِ چمن کے لیے آنے لگے کیوں | ہو گئے ہوں گے یہ سرسبز درخت آپ سے آپ

ردیف (ت)

دم پیری ہے یہ ہر داغ جگر کی صورت | کہ ہیں گُل ہونے کو سب شمع سحر کی صورت
اب مرے اشکوں سے ہے اور ہی گھر کی صورت | نہ وہ دیوار کی صورت ہے نہ در کی صورت
نزع کے وقت کھُلا حالِ خرابیٔ جہاں | کیسے ویرانے میں ہم رہتے تھے گھر کی صورت
گو وطن پہنچے ہوئے ایک زمانہ گزرا | ابھی آنکھوں ہی میں ہے اپنے سفر کی صورت
شعلۂ حرص سے روشن ہیں یہاں جن کے دماغ | کوئی دن اور ہوا پر ہیں شرر کی صورت

دل میں اب بھی ہو کدورت یہ خبر مجھ کو نہیں | دیکھنے میں تو نظر آتے ہیں خورسند بہت

دیکھی ہے جب سے ظالم کی صورت | منہ تک رہا ہوں مجرم کی صورت
پہچانتا ہے تیور سے انساں | کہہ دیتی ہے خود ظالم کی صورت
کتنے بھرے ہیں فتنے نظر میں | اس دم تو دیکھو ظالم کی صورت

شوخی ہے ستم چال غضب ناز قیامت | تیرا ہے میری جان ہر انداز قیامت
مطرب بھی نہ آفت ہے نہ ہے ساز قیامت | پردہ کی مگر ہوتی ہے آواز قیامت
سنتے ہیں کہ پھر آپ میں آتا نہیں انساں | سرگوشیٔ معشوق کا ہے راز قیامت
ہر دم جو تصور ہے وحیدؔ اس کی صدا کا | ان ذروں ہے اک ایک کی آواز قیامت

دل میں آیا جب تصور باغ رضواں کا وحیدؔ | پھر گئی آنکھوں میں تصویر فضائے کوئے دوست

جس سے کوئی دم نہیں پردا وہ آنکھیں اور ہیں
ان نگاہوں سے تو کیا دیکھے گا کوئی روئے دوست

نور کا عالم سیاہی سے نظر آتا ہے اور
آتا ہے رخسار پر لہرا کے جب گیسوئے دوست

مجھ کو نظارہ سے جو حاصل ہوئی تھی بیخودی
یہ اسی سے پوچھیے دیکھا ہو جس نے روئے دوست

رات بھر تو کوئی بجز حسرت شریکِ غم نہیں
صبح دم بادِ صبا آتی ہے لے کر بوئے دوست

روح کو ہوتی ہے کچھ اس دم ہوا سے تازگی
یہ کدھر سے آرہی ہے دیکھنا خوشبوئے دوست

جتنے مے خوار ہیں بیخود سے ہیں میخانے میں
کس کو معلوم ہے برہم ہوئی محفل کس وقت

ایک مدت سے اسی فکر میں ہیں سرگرداں
دیکھیں آتی ہے نظر صورتِ منزل کس وقت

سنتے ہیں سوئے چمن آج گیا تھا صیاد
یہ تو فرمائیے تھا شورِ عنادل کس وقت

کہاں کی حسرتیں اے دل ہمیں ہوتے ہیں جب رخصت
کسی کا اب نہیں ہے کام وقتِ نزع سب رخصت

بہت ہو دل میں یا ہو کم محبت
دکھاتی ہے عجب عالم محبت

کہیں ہے صورتِ زخمِ جگر یہ
کہیں ہے زخم کا مرہم محبت

خبر اس بے وفائی کی جو ہوتی
قیامت تک نہ کرتے ہم محبت

صفائے حسن سے عاشق کے دل کو
بنا دیتی ہے جامِ جم محبت

کس بات کا وعدہ تھا یہ اب ہم سے نہ پوچھو
شاید تمھیں کچھ یاد ہو مدت کی ہے یہ بات

اک ذرہ نہیں پرتوِ خورشید سے خالی
ہر چیز میں موجود ہے قدرت کی ہے یہ بات

گل بسترِ گل پر بھی نہ آتی تھی جنھیں نیند
وہ خاک پہ اب سوتے ہیں عبرت کی ہے یہ بات

ملے مدتوں پر جو اُن سے وحید نکالی ہے اب کیا شکایت کی بات

دیکھا تھا خدا جانے کہاں جلوۂ دیدار کھلتا نہیں اس شوخ سے ہے کب کی ملاقات
انساں نہ ملے اہل غرض ہو کے کسی سے کچھ کام کی ہوتی نہیں مطلب کی ملاقات

نہ کچھ پوچھیے ہجر میں دل کی صورت تڑپتا ہی ہر وقت بسمل کی صورت
یہی سختیاں ہیں جو راہِ سفر کی نظر اب نہ آئے گی منزل کی صورت
فلک جز غم دو جہاں کچھ نہ دے گا میں پھیلاؤں کیوں ہاتھ سائل کی صورت
جہاں سے چلے ہم چلے صورت جال جدھر آگئے آگئے دل کی صورت

لیا تھا آگے ہی مول ہم نے یہ دردِ سر آج کا نہیں ہے
کبھی جو نشہ تھا عاشقی کا اسی کا ہے یہ خمار حسرت

ردیف (ٹ)

کیا پوچھتے ہو اب کے جو دل پر لگی ہے چوٹ ایسا نہ درد ہوتا تھا اکثر لگی ہے چوٹ
پہلے سے ہم کو صدمۂ دل کی خبر تھی کیا بتلایئے کسی کے بھی کہ کر لگی ہے چوٹ
بیٹھے ہو دل کو تھامے ہوئے بے طرح وحید اس وقت صاف کہتے ہیں تیور لگی ہے چوٹ

مجھ پر ابھی شکنجۂ ہستی عذاب تھا اے قبر کے فشار مرے سامنے سے ہٹ

ردیف (ث)

تلپیاں ہے ہر گھڑی پھر یہ دل ناشاد کیا باعث
لبوں پر خود بخود آنے لگی فریاد کیا باعث
وہ کیا پھر آج کل میں رونق افزا ہونے والے ہیں
نظر آتا ہے کچھ روزوں سے گھر آباد کیا باعث

ہوا ہے پنجۂ خورشید سے جیبِ سحر پُرزے
گلوں کی چاک داماں کی ہے بادِ سحر باعث
ابھی موقوف رکھیں اس کو تو پھر ہیں وہی باتیں
وطن میں جی نہ لگنے کا ہے یہ عزمِ سفر باعث

نہ آئی ہو تمھاری یاد میں اس کو نہیں کہتا
تڑپ کر دل کے رہ جانے کا ہے کوئی مگر باعث
یہ مرنا کیا بتائیں کس قدر آسان ہو جاتا
طلسمِ زندگی کا ہم کو کھل جاتا اگر باعث

مجھ کو تو اگلے رنج کی کچھ یاد بھی نہ تھی
اس دم تمہیں نے کی ہے یہ بے فائدہ کی بحث
جب ہوش میں نہیں ہیں تو سُنتے ناصحوں کی کون
ہنگامِ بیخودی ہے یہ بے فائدہ کی بحث
اب میں کہوں گا رنج کی باتیں نہ کیجیے
جب آپ کی خوشی ہے یہ بے فائدہ کی بحث

دل سے دونوں جو نہیں اس کے لیے
کفر بے سُود ہے ایمان عبث
آنسوؤ تم میں جو تاثیر نہیں
کیوں اٹھاتے ہو یہ طوفان عبث

کیا صاحب دل اور طرف آنکھ اٹھائیں
یہ صاف ہیں آئینہ ہیں کہلاتے ہیں بے لوث

اپنے موقع سے ہو جو کام وہی بہتر ہے
نہ تو گرنا ہے عبث اور نہ سنبھلنا ہے عبث

ہاتھ رکھ دینے پہ جب اُن کے نہ لی سانس ای دل
اب تیرا سینہ میں رہ رہ کے اُچھلنا ہی عبث

وحشت دل میں ہی کیا آبلۂ پا کا قصور
خارِ صحرائے جنوں دیتے ہیں تکلیف عبث

ردیف (ج)

حسرت گیسو کی پہلے مختصر تھی داستاں
ای شب غم تو نے پھیلایا درازی کا رواج
تو نے کب پیدا کیا تھا مجھ سے بڑھ کر سوزِ غم
شمع تجھ سے ہی کہ مجھ سے جاں گدازی کا رواج

کیا ہوئی وا پھر کسی کی زلفِ عنبر بیز آج
ای نسیم صبح یہ خوشبو ہی سودا خیز آج

گھبرا کے چلے ہیں جو سوئے کوچۂ جاناں
رکھتے ہیں کہیں پانو تو پڑتے ہیں کہیں آج
آنکھوں میں وحید اشک بھر آنے کا سبب کیا
کیا ہی جو طبیعت مرے کہنے میں نہیں آج

بعد مدت کے جو آمد ہی ادھر یار کی آج
نہ خبر اپنی ہی مجھ کو نہ دلِ زار کی آج
مری آنکھوں میں فضا گلشنِ فردوس کی تھی
کون کرتا تھا صفت کوچۂ دلدار کی آج
ای جنوں آ گئے کیا منزلِ مقصد کے قریب
وہ خلش آبلۂ پا سے نہیں خار کی آج

کل خدا جانے کیا کریں گے وہ
جن کو ہی فکر عمر بھر کی آج
پھر ارادے ہیں جرعہ نوشی کے
قطرہ ریزی سے ابرِ تر کی آج
یہ بھی صحبت ہی یادگار وحید
خوب ہنس بول کر سحر کی آج

پابوسیِ ساحل کے سوا اور ملا کیا ۔۔۔ اُٹھنے کو تو دریا سے بہت سر سے اُٹھی موج
ہی نورِ تبسم دہنِ یار سے تا عرش ۔۔۔ وہ دیکھیے پھر چشمۂ کوثر سے اُٹھی موج
کیفیت دریا مجھے پھر جوش میں لائی ۔۔۔ کف بھر کے جو منہ میں نئے تیور سے اُٹھی موج
یوں سرخیِ نشہ میں نگہ آنکھ سے نکلی ۔۔۔ گویا مئے گل رنگ کی ساغر سے اُٹھی موج

کون کرسکتا ہی بیمارانِ حسرت کا علاج ۔۔۔ دردِ دل ہم عاشقوں کا ہی ازل سے لاعلاج

مذکور ہی گزری ہوئی کچھ حالتِ دل کا ۔۔۔ یاد آتا ہی کس درد کا افسانہ مجھے آج
ہنگامۂ محشر میں کدھر آنکھ اٹھاؤں ۔۔۔ اپنا نظر آتا ہی نہ بیگانہ مجھے آج
دل ہونے کو خوں آنکھ لہو ہونے کو بس ہی ۔۔۔ درکار نہیں شیشہ و پیمانہ مجھے آج

کہیں دم بھر نہیں قرار مجھے ۔۔۔ کس غضب کی ہی دل کی وحشت آج
روگ تھا زندگی کا تا دمِ مرگ ۔۔۔ کس بکھیڑے سے پائی فرصت آج
دل میں کچھ پھر ہی درد کل کی طرح ۔۔۔ کیا پھر آئے گی کوئی آفت آج

ردیف (چ)

آئینہ تو دیکھو نظر آتی ہیں وہ آنکھیں ۔۔۔ ہم کس کی محبت میں ہیں بیمار کہیں سچ

راحت و عیش و رنج و ایذا ہے ہیچ ۔۔۔ سچ تو یہ ہی کہ سب ہی دنیا ہے ہیچ
ایک عالم کی سیر کی ہم نے ۔۔۔ جس کو دیکھا اسی کو پایا ہے ہیچ

جب راہ طے ہوئی تو پھر آساں ہیں مشکلیں — منزل مقام تک ہی یہ سب پا تراب کو چ

حیران ہوں جو حرف عنایت کو دیکھ کر — کس کی ہے یہ عبارت خط ہے اسی کا سوچ
اب دردِ ہجر کی بھی شکایت یہاں نہیں — کب ہوگا وصلِ یار فقط ہے اسی کا سوچ

فکرِ بہار اب دلِ بلبل میں وہ کہاں — اندیشۂ خزاں سے ہے در پیش اور سوچ
اس بے وفا کی یاد نے سب کچھ بھلا دیا — رکھتا تھا جس قدر ہیں کم و بیش اور سوچ
کیا ہوں گی لے کے دونوں جہاں کی یہ نعمتیں — تیرے سوا بھی رکھتے ہیں درویش اور سوچ

ردیف (ح)

غزل مسلسل

کس کا کوئی دیوانہ تھا کون آشنا بیگانہ تھا — اپنا ہی سب افسانہ تھا اول سے آخر کی طرح
افسانۂ دردِ جگر پوچھا کسی نے کچھ اگر — رہ جاتا ہوں کر کے نظر افسردہ خاطر کی طرح
آزادِ کفر و دیں بھی ہوں ہر پھول کا گلچیں بھی ہوں — بے رنگ ہوں رنگیں بھی ہوں میں فکرِ شاعر کی طرح
سر تا قدم حسن و صفا عکسِ رخِ نور و ضیا — ہر سنگ میں ہوں اک جلا رنگِ جواہر کی طرح
ایسا ہوں عالی منزلت ایسا ہوں والا مرتبت — پنہاں ہوں غائب کی طرح ظاہر ہوں حاضر کی طرح
ہر دور میں ہوں بیش و کم ہے صورتِ پرکار دم — گردش میں ہوں مثلِ قدم چکر میں ہوں سر کی طرح
ہر دم قریب و دور ہوں خود واصل و مہجور ہوں — خود ناظر و منظور ہوں منظور و ناظر کی طرح
میں صاحبِ ایماں بھی ہوں کعبہ میں سرگرداں بھی ہوں — بت خانے میں نالاں بھی ہوں ناقوس کافر کی طرح
بدنام ہوں رسوا بھی ہوں مجنوں بھی ہوں لیلیٰ بھی ہوں — وامق بھی ہوں عذرا بھی ہوں دیکھو نظاہر کی طرح
خود ہی وحید الفت بھی ہوں خود جلوۂ وحدت بھی ہوں — گو صورتِ حیرت بھی ہوں چشمِ مبصر کی طرح

آیا تھا کب بت خانے سے کتنا زمانہ ہوگیا	بھولی نہیں اب تک مجھے اس شوخ کافر کی طرح
اک سوز، اک افسردگی، اک نالہ، اک اشکِ رواں	شامل ہیں میرے جسم میں یہ بھی عناصر کی طرح
آغاز میں بھی خاک ہے انجام میں بھی خاک ہے	جیسی ہے اوّل کی طرح ویسی ہے آخر کی طرح

گرمیٔ سوزِ غم ہے جو وقتِ شباب سے	کیا جل کے رہ گئے ہیں ہری دوب کی طرح

شبِ ہجر سے کم ہے کیا روزِ ہجر	یہ کم بخت بھی ہے اسی کی طرح
وہی مسکرانے میں غنچوں کے ہے	جو تھی اس دہن میں ہنسی کی طرح
مرے غنچۂ دل کی پژمردگی	نظر آتی ہے تازگی کی طرح
کہیں ہوگا انساں ہزاروں میں ایک	ہزاروں ہیں گو آدمی کی طرح

دکھا جائے تاثیر تو کیا عجب	اٹھی ہے یہ آہِ سحر بے طرح
اسی دن میں سمجھا تھا یہ دل گیا	پڑی تھی جب ان کی نظر بے طرح

زندگانی کا فقط آنکھوں پہ چھایا تھا غبار	ملتے ہی خاک میں خود ارض وسما ہوگئی روح

تشکلِ آئینہ جو ہے طالبِ دیدار کی روح	دم میں ہے یار کا دم روح میں ہے یار کی روح
ترے ابرو ہی کی جوہر کا تو ہے سب جلوہ	کہیں خنجر کا یہ دم ہے کہیں تلوار کی روح
رخصتِ موسمِ گل پر نہیں آئی یہ خزاں	خاک اڑتی ہوئی پھرتی ہے یہ گلزار کی روح
قید ہونے سے قفس میں بھی نہیں ہوتا کچھ	رہتی ہے باغ ہی میں بلبلِ گلزار کی روح
دونوں عالم سے ہے باہر جو مرے جسم میں ہے	یہ نہ مجبور کی ہے روح نہ مختار کی روح

غربت کی راتیں ہوتی ہیں اس سوچ میں بسر	پیشِ نظر ہے کوسوں کا میدان وقتِ صبح

لے گیا ہے ہمیں حسن آپ کا جس عالم میں	اسی جا رہ گئے ہیں دیدۂ حیراں کی طرح
کل یہیں صحبتِ احباب سے کیا رونق تھی	آج سنسان ہے گھر خانۂ ویراں کی طرح

ردیف (خ)

کیا مری آنکھ میں اس وقت بھرے تھے آنسو	جس گھڑی دیکھ رہا تھا مجھے حسرت سے وہ شوخ
رنگِ رخسار کا اس گل سے نہ پوچھو عالم	مجھ کو آتا ہے نظر پھولوں کی رنگت سے وہ شوخ

آئینہ خانہ میں اس گل کا کوئی دیکھے عکس	رنگ فانوس سے ہے شمع شبستاں کیا سرخ

اس کو ایسی تلاش ہے کس کی	روز و شب کر رہا ہے چکر چرخ

وہ کوئی سمت نہیں کہنے کو جس جا ہے وہ رخ	یوں جدھر آنکھ اٹھاؤ نظر آتا ہے وہ رخ

نورِ قدرت نہیں کیا حضرتِ واعظ اس میں	آپ ہی کہیے اگر آپ نے دیکھا ہے وہ رخ

مجھ سے نہ آپ پوچھیے کچھ دردِ ہجر کی	ایسا ہوں بے قرار مجھے زندگی ہے تلخ
سنتا ہوں کہ رہی تھی قفس میں بھی عندلیب	بے موسمِ بہار مجھے زندگی ہے تلخ

ردیف (د)

گو ان دنوں رہتا ہے در یار پہ بستر
ہے خارِ مغیلاں کا چبھونا بھی ہمیں یاد

پھر یہی عادت کسی دن وجہ گستاخی نہ ہو
اب نہ دیکھو اس نظر سے آنکھ دکھلانے کے بعد

داغ دل تازہ تھے جب تک اور تھی ان کی فضا
رنگ پھر پھولوں کا وہ رہتا ہے کمھلانے کے بعد

پہلے ہی سے ضبط گریہ کی نہ سوجھی کیا کہوں
اشک اب آنکھوں میں رک سکتے ہیں بھر آنے کے بعد

میں نے تو جانا تھا یہ اس کو بجھا دے گا ضرور
شعلۂ غم اور بھڑکا اشک برسانے کے بعد

تک رہے ہیں کس نگاہِ یاس سے ہر سمت ہم
ہو گئی کیا حالتِ دل آپ کے جانے کے بعد

وہ یہاں دم بھر نہ ٹھہرے جلوہ دکھلانے کے بعد
پھر وہی حسرت زدہ تھے ہوش میں آنے کے بعد

نغمۂ شادی کی سی کانوں میں آتی ہے صدا
نالۂ دل وہ نہ تھے تاثیر دکھلانے کے بعد

غنچۂ دل کیسا پژمردہ ہوا ہے ہجر میں
اس کلی کا رنگ دیکھا تم نے کھلانے کے بعد

جانب ملکِ عدم آئے بھی تو کھو کر حواس
قافلہ منزل پہ پہنچا بھی تو لٹ جانے کے بعد

حشر میں دینا پڑا اب عمر بھر کا سب حساب
زندگی کا نام کیا لینا تھا مر جانے کے بعد

رنگ گل وحدت سے جو شاداب ہوا ہے
کیا گلشن اسلام میں ہے بوئے محمد

جانے نہ پائے ہاتھ سے رنگ اپنا عمر بھر
نیرنگیٔ زمانہ سے کیا کام ہے وحید

اب اٹھ گئی جہاں سے وہ رسم جنون عشق
ویرانہ میرا ہوگا نہ آباد میرے بعد

گزری تمام عمر مری رنج میں وحید
کیا ہوگا ایسا اب کوئی ناشاد میرے بعد

کیوں اس قدر ہی صاحب محمل کو اضطراب
شاید کوئی ہوا ہیں محمل تڑپ کے سرد
یہ کس نے آکے دی خبر رخصت بہار
سنتے ہی ایک بار ہوا دل تڑپ کے سرد

مطلب نہیں کچھ اس سے کہ کم یا سوا ہی درد
انسان ہی وہی جسے کچھ عشق کا ہی درد
ہم اور کچھ تو کہہ نہیں سکتے ہیں حال دل
بس اتنا جانتے ہیں کہ حد سے سوا ہی درد

یوں تو معشوق زمانے میں ہیں کیا کیا جلاد
آج تک آدمی دیکھا نہیں تجھ سا جلاد
یہ بھی ممکن ہی کہ تو دست تاسف نہ ملے
ابھی دیکھا نہیں کشتوں کا تڑپنا جلاد

قتل ہونا ہی تو مل جائیں گے صد ہا جلاد
تیرے ماتھے پہ نہیں خون کا ٹیکا جلاد

جب کسی دن ہوش میں آئیں گے خود
دل کو کیا بھیجیں وہاں جائیں گے خود

جو اٹھا موج آب کے مانند
دم میں بیٹھا حباب کے مانند
اپنے شکووں کا بھی نہیں ہی حساب
ستم بے حساب کے مانند

ردیف (ڈ)

الٰہی بلبلِ خستہ جگر کی کون سنے — گلوں کو باغ میں اپنی بہار پر ہے گھمنڈ
اکڑ رہے ہیں چمن میں جو آ گئی ہے بہار — ہر اک درخت کو ہر برگ و بار پر ہے گھمنڈ
ابھی وہ جنبشِ مژگاں نظر نہیں آئی — فلک کو گردشِ لیل و نہار پر ہے گھمنڈ
یہ بے ثباتیِ گلشن پہ لوگ غافل ہیں — ہوا پہ ناز ہے لطفِ بہار پر ہے گھمنڈ
کسی سے بھی نہیں تسکینِ دل کی اب صورت — نہ ہوش پر ہے نہ صبر و قرار پر ہے گھمنڈ

وہ رُخِ یار ہی کا جلوہ ہے — کرتے ہیں جس پہ سنگِ طور گھمنڈ
اتنی سی زندگی پہ انساں کو — کس قدر ہے یہاں غرور گھمنڈ

قابو میں جن دنوں تھا ایسا بھی ہو گیا — اب کیا کریں گے ہم دلِ خود کام پر گھمنڈ

کرے تو نور پہ سو بار آفتاب گھمنڈ — جو رہنے دے بھی وہ رُخسارِ لاجواب گھمنڈ
یہاں بھی مستعد آنکھیں ہیں اپنی رونے پر — برس پڑے تو میں دیکھوں ترا سحاب گھمنڈ
ابھی نہ دیکھیے اپنی چڑھی ہوئی آنکھیں — غرور کی نہ پلا دے کہیں شراب گھمنڈ

ردیف (ذ)

چھپایا جذبۂ دل کے اثر سے جب سے منہ — کوئی ملا نہیں تاثیر دار پھر تعویذ

دفعتاً چرخ نے مٹا ڈالے — کہنہ قبروں کے اب کہاں تعویذ

جو شکووں کا نہ آتا خط تو اپنی جان کیوں جاتی — اُنھیں باتوں کے لکھ دینے سے ہو جاتا ہے سم کاغذ

ردیف (ر)

حیرت سے اس کی باغ میں سودا سا ہے مجھے — کس آنکھ کی یہ نرگسِ شہلا ہے یادگار
جلتی ہے شمع رات کو کیا سر سے پانو تک — یہ تیرے دل جلوں کی سراپا ہے یادگار
برپا ہوا تھا اس کی جو رفتار سے وحید — اس حشر کی قیامتِ کبرا ہے یادگار

آنکھوں میں دل میں اپنے سرور اس کا اب رہا — یہ لطفِ دورِ ساغرِ صہبا ہے یادگار
بیداریِ فراق جو ہو تیسری یاد میں — تو وہ بھی مثلِ خوابِ زلیخا ہے یادگار
دم بھر میں گو بدلتے ہیں اس کے ہزار رنگ — لیکن یہ بے ثباتیِ دنیا ہے یادگار

کیا جانے ہوئے وہ صاف کیوں کر — تقصیر ہوئی معاف کیوں کر

گزری ہے زندگی میں ابھی دیر کس قدر — جینے سے دل مرا ہے مگر سیر کس قدر

یاد آگیا ابرو کے قریں زلفوں کا آنا — آیا جو وحید ابر مہ نو کے برابر

اپنی شگفتہ روئی کا اب کون سا ہے وقت — دل یونہی داغ ہے گلِ خنداں ستم نہ کر

تیری طرف اشارہ ہے چتون غضب ڈھا — کہتا ہوں تجھ سے، دیدۂ جاناں ستم نہ کر

بہت میں نے سہے ہیں ظلم فرقت — یہ دل پر داغ حسرت کا ہے کچھ اور

حسن تھا پردۂ اسرار الٰہی میں نہاں — آفتیں ڈھانے لگا خاک کا پتلا ہوکر
رخ روشن کا تصور جو یکایک آیا — رہ گئی ہجر کی شب نور کا تڑکا ہوکر
ایک مدت سے مرے دل میں جو تھا شوقِ لقا — ارنی کہنے لگا طور پہ موسیٰ ہوکر

دکھایا جلوۂ معبود صورت آشنا ہوکر — بتوں نے بندگی ہم سے بھی لی آخر خدا ہوکر
خیالِ مے کشی جب تک نہیں تھا ہم کو اے ساقی — بہت اتراتی تھی ہم سے دخترِ رز پارسا ہوکر

وحشت میں جو اب جانے کا ساماں ہے کہیں اور — دامن ہے کہیں اور گریباں ہے کہیں اور

سایہ کی حسرت میں کیا کیا بڑھ کے رکھتے تھے قدم — دیکھتے تھے دور سے جس دم شجر کہسار پر

گھر سے جب وقت تھا نکلنے کا — آتی تھی کان میں صدائے سفر
لطف بھولے وطن کے باغوں کا — جب ملا دشت پر فضائے سفر
آخر اہلِ وطن بھی رونے لگے — کہہ چلا میں جو ماجرائے سفر
لاکھ آرام ہو وطن کا نصیب — بھولتی ہی نہیں جفائے سفر
اے وحید اس کے فائدے دیکھے — اور باندھو کمر برائے سفر

جان آئی ہے ہونٹوں پہ محبت میں کئی بار — ہم مر کے بچے ہیں تری فرقت میں کئی بار
اب کے تو غضب کا ہے ہجوم غم حرماں — ہر چند گھرے ہیں اسی آفت میں کئی بار

ھ ۲۸۰

کر اٹھے نالہ و فغاں آخر ۔ نہ رہا رازِ دلِ نہاں آخر
تھی گلوں کے نصیب ہی میں خزاں ۔ کیا کیا جائے باغباں آخر
دیکھ لی کوئی دم بہار کی سیر ۔ ہو گا یہ باغ تو خزاں آخر
چند باتیں ہیں زیرِ لب دمِ نزع ۔ اب ہے الفت کی داستاں آخر

آئی ہے جھومتی ہوئی کیا اس گھڑی گھٹا ۔ زاہد بھی مے کدہ میں ہیں ساون کے رنگ پر

کیا نغمۂ مطرب سے ہے اک رنگ ہوا پر ۔ پہنچا ہے سماں باندھ کے آہنگ ہوا پر
کچھ بات ہو تو کہیے، وہ جس بات پہ بگڑے ۔ بے فائدہ کی ان سے ہوئی جنگ ہوا پر
ہو جائے گا اک دم میں یہ سب خواب و تصور ۔ ہستئ دو روزہ کا ہے نیرنگ ہوا پر
رند آپ میں رہتے ہیں چڑھاتے ہیں جہاں کو ۔ لے اڑتا ہے نشہ کئی فرسنگ ہوا پر
یاد آگئی اڑتے پہ جو وہ صحبتِ گلزار ۔ نکہت سے بغل گیر ہوا رنگ ہوا پر
اب چھا گئے مے خانے پہ اس رنگ کے بادل ۔ دم بھر کو وحید اور ہے نیرنگ ہوا پر

ٹھیری نہ خوشی ایک گھڑی بزمِ طرب میں ۔ سو نغموں نے آواز دی قانون سے نکل کر

ڈھونڈتے تھے جسے اک عمر سے پایا آخر ۔ عشق نے آنکھوں کو دیدار دکھایا آخر
رنگ دو نقاش ہی ہر جا نظر آیا آخر ۔ نقشِ اوّل ہی نے ہر نقش مٹایا آخر
کچھ دنوں دل سے تھا کیا معرکۂ سوز و گداز ۔ یاس نے میری طبیعت کو بجھایا آخر
کھل گئی دیکھیے ساون کی بھی فرقت میں جھڑی ۔ دیدۂ تر ہی نے طوفان اٹھایا آخر
دیکھ سکتے نہ تھے پہلے جو مرے دل پہ غبار ۔ انھیں یاروں نے تہِ خاک دبایا آخر

ردیف (ڑ)

رہبر انساں نہ ہو جب تک کوئی تجھ سا شفیق | ای جنوں صحرا ہی اچھا ہی نہ ہی اچھا پہاڑ
کس طرح لے جاؤں دل کو شہر کی جانب وحید | اپنی قسمت میں تو اب صحرا لکھا ہی یا پہاڑ

کرتے سمجھ سمجھ کے محبت کا حوصلہ | کیا جانتے تھے ان کو یہ آتے ہیں جوڑ توڑ

یا تو صحرائے غم کا داماں چھوڑ | ای جنوں یا مرا گریباں چھوڑ
حسرتِ مرگ میں ہیں اور مزے | کچھ دنوں زندگی کے ارماں چھوڑ
چاند بدلی میں چھپ نہیں سکتا | رُخ پہ زلفیں نہ یوں مری جاں چھوڑ

ویراں ہوا یہ دل تو پھر آباد ہو چکا | ایسا بنا ہوا نہ گھرا ای آسماں بگاڑ
ایسا زمانہ رنج کا بھولا وصال میں | یہ بھی خبر نہیں کہ ہوا تھا کہاں بگاڑ

فراق ہی نہ غم یار ہی فساد کی جڑ | ترا ہی دم یہ دل زار ہی فساد کی جڑ
ابھی تو باتوں میں کیا کیا نہ شاخیں نکلیں گی | جو دل میں آپ کے سرکار ہی فساد کی جڑ

ن سمجھ کے سوچ کے الفت

ردیف (ز)

اب فکر وہیں منزلِ مقصود کی ہو گی — سنتے ہیں ٹھہرنا ہے تہِ قبر بھی کچھ روز
نالوں کے تو مدت سے ہیں وہ قائلِ تاثیر — دکھلاؤں میں ان کو اثرِ صبر بھی کچھ روز
سچ یہ ہے پسِ مرگ کہاں الفتِ احباب — آنے کو تو آئیں گے سرِ قبر بھی کچھ روز
اس سال بھی کس رنگ کی برسات تھی ساقی — کس لطف سے تھا قطرہ فشاں ابر بھی کچھ روز

اب کیا ہے مے کشی کی ہوس اور چند روز — عمرِ رواں کا ساتھ ہے بس اور چند روز
لطفِ شباب تک ہیں لگاوٹ کے یہ مزے — جانے نہ پائے آنکھ سے رس اور چند روز

فصلِ بہار کی جو محبت کے ہیں اسیر — ان کی نظر میں گوشۂ زنداں ہے سرخ سبز
باغِ عمل وہ باغ "ہمیشہ بہار" ہے — نزہت سے جس کی روضۂ رضواں ہے سرخ سبز
صحرا میں کون آیا ہے دیوانۂ بہار — ہر خار صورتِ گل و ریحاں ہے سرخ سبز

غزل مسلسل

پوشاک تیری اے گلِ خنداں ہے سرخ سبز — یا فصلِ گل سے رنگِ گلستاں ہے سرخ سبز
یا سرخ سبز رنگ ہے فانوسِ پیرہن — جس میں یہ نورِ شمع فروزاں ہے سرخ سبز
یا آج پھولی ہے انھیں دو رنگوں کی شفق — جس میں ظہورِ مہرِ درخشاں ہے سرخ سبز
آیا ہے یا سمٹ کے یہ قوسِ قزح کا رنگ — جس میں یہ شعلہ برق کا تاباں ہے سرخ سبز
یا ہے یہ سرخ سبز لباسِ نسیمِ صبح — جس سے تمام گلشنِ دوراں ہے سرخ سبز
یا سرخ و سبز رنگ ہے آئینہ کا غلاف — جس سے نگاہِ دیدۂ حیراں ہے سرخ سبز
یا سرخ و سبز رنگ کی یہ دھوپ چھاؤں ہے — اس میں یہ جلوۂ مہِ تاباں ہے سرخ سبز

رنگِ چمن سے کیا اسے تشبیہ دے وحیدؔ — اس سے ترا لباس دو چنداں ہی سُرخ سبز

خلقت ہوئی ہی حسن کی کس واسطے آخر — کہ سکتا ہی کوئی یہ تمھیں کیا، نہ کرو ناز

شبِ فرقت مری جب تک ہی جہاں میں باقی — ہونے دے گا نہ فلک صبحِ قیامت ہرگز
اب ترا جلوۂ رُخ دیکھ کے کیا دیکھوں گا — میری آنکھوں سے نہ جائے گی یہ حیرت ہرگز
بات رہ جائے گی کہنے کو فقط ای غمِ یار — نہیں رہنے کی ہمیشہ یہ مصیبت ہرگز

اس کی لذّت سے جو آگاہ نہیں — ان کے حق میں ہی بلا سوز و گداز
سب تھا یہ ولولۂ عشق کے ساتھ — اب تو کچھ بھی نہ رہا سوز و گداز
طالبِ نورِ اثر ہو جو وحیدؔ — چاہیے وقتِ دعا سوز و گداز

کچھ دنوں دیر میں بھی رہ کے جبیں سائی کی — سیکڑوں بت تھے مگر کوئی نہ تھا بندہ نواز

ردیف (س)

کیا کیا زباں پہ آئیں گے صدمے فراق کے — لے جائے گا کبھی جو مقدر کسی کے پاس

تمھارا دل میں ہی ای جانِ جاں عکس — کہاں تم جلوہ فرما ہو کہاں عکس
وہ اک افتادگی اک سرکشی ہی — یہ جس کے ہیں زمین و آسماں عکس
چمن میں پھول ہیں یوں تو ہزاروں — ترا کس گل میں ہی ای باغباں عکس

دل اسیروں کا ہی فصلِ گل میں — نہ قفس میں ہی نہ صیاد کے پاس
ہو رہے ان کا جو اپنا نہ کرے — نہیں یہ بھی دل ناشاد کے پاس

کون رکھ سکتا ہی اس صحرائے حسرت میں قدم — راستہ سنسان ہی کوسوں تو ہی منزل اداس
کیا طبیعت بجھ گئی ہی دیکھ کر رنگِ جہاں — اب جہاں جاتے ہیں آتی ہی نظر محفل اداس

کیا جی کو ہجرِ یار میں ترسا رہی ہی یاس — دیکھو جدھر اٹھا کے نظر چھا رہی ہی یاس

ہم آپ کے آنے نہ آنے کی جس روز سے سُنتے رہتے ہیں
جینے کی ہوس ہی اک لمحہ مرنے کی ہی حسرت ایک نفس

جدھر کے جانے کی برسوں سے آرزو ہی یہاں — یہ ایک حسرت میں پہنچا ادھر شرار افسوس

ردیف (ش)

رنگِ گل کا تو ہی کچھ اور مقام — اس چمن کا ہی خار جلوہ فروش
ایک ہی نقش ہی جو ہوتا ہی — ہر طرف بار بار جلوہ فروش
ان کے جلوے کی کچھ نہ پوچھو وحید — جن کا ہی انتظار جلوہ فروش

چاہا تھا کچھ احوال کہیں دیکھ کے ان کو — بیخود ہوئے کچھ ایسے کہ مطلق نہ رہا ہوش

اور دو ایک کریں خالی جام — چند ساعت کی ہے صحبت عیش

ردیف (ص)

جس کا دُکھے گا دل نہ کرا ہے گا رات کو — کیا پوچھتے ہو شور مچاتا ہے کون شخص
ایسا بھی روٹھتا ہے کسی سے کوئی وحید — یہ بھی نہیں خیال مناتا ہے کون شخص

کس گُل کے پسینے کی اُڑا لائی ہے خوشبو — ہر گام پہ گلزار میں کرتی ہے صبا رقص
شوریدگیِ عشق کا سُن پایا جو مذکور — تعظیم جنوں کے لیے مستانہ اٹھا رقص
پردے سے جو سُن پائی ہے آواز کسی کی — مطرب کو جُدا رقص ہے صوفی کو جُدا رقص
دُنیا کے بکھیڑے سے نکلنے کی جو سُنتے — کرتے مرے ماتم کے عوض اہلِ عزا رقص

بے تابیِ عاشق سے جو تیور ہیں خوشی کے — کس ناز سے کرتی ہے ان آنکھوں میں حیا رقص

کیا گردشِ افلاک وحید اپنا کرے گی — رکھتے ہیں کسی بات کی حسرت نہ یہاں حرص

ردیف (ض)

نکہتِ زلفِ یار کا ذکر کبھی نہیں کیا — تجھ سے بیان کیا کروں اپنی میں اے صبا غرض
دونوں سے کام کچھ نہیں ہم تو ہیں اور ہی جگہ — اپنی نظر میں ایک ہیں بے غرض اور باغرض
کرتے ہیں آپ کچھ گلا کوئی کہے تو کہنے دو — پھیر کے منہ کو پھر کہو ان سے ہے مجھ کو کیا غرض

ناصحوں کی سُنی ہوئی ایسی ہیں سو نصیحتیں
کام تو ہم کو تم سے ہے اور کسی سے کیا غرض

آج سے کیا ہیں اس آفت کے مریض
ہم ہیں مدت سے محبت کے مریض

رہ چکے عشق میں ہم بھی دو دن
دل کے بیمار طبیعت سے مریض

نفس چند کے مہمان ہیں اور
پھر کہاں ان کی محبت کے مریض

میرے مرنے کی خبر سن کے وحید
بولے وہ تھے بھی تو مدت کے مریض

سچ تو یہ ہوتی ہے بے قدری میں محنت بھی فضول
کوئی فن ہو رائیگاں جاتا ہے بے زر کا ریاض

ردیف (ط)

ہجرِ ساقی میں ہے شہرہ بزمِ عشرت کا غلط
میں لگا تا اپنے منہ سے ساغرِ صہبا غلط

جتنی انساں کو سمجھ آتی گئی کھلتا گیا
اب یہی مضموں ہے کچھ ٹھیک ہے وہ سب تھا غلط

راہ میں جاتے ہوئے مے کش نظر آتے کہیں
ہے خبر ساقی کے جانے کی لب دریا غلط

یہ عجب احوال ہے جب کیجیے کچھ تذکرہ
آپ ایسے سنتے ہیں کہتا ہوں میں گویا غلط

ہو رہی تھیں ابھی یہی باتیں
کون سے وقت ان کا پہنچا خط

مفت کا تو نہ دیجیے الزام
کس نے بھیجا تھا، کب، کہاں کا خط

کیا کہیں جب بہت ستاتی ہے یاد
دل پہ رکھ لیتے ہیں کسی کا خط

وعدے لیتے ہیں ایسے لکھنے کے
دیکھتے ہیں حضور گویا خط

کیجیو پھر جواب کا شکوہ
پہلے دیکھو وحید اپنا خط

ای وحشتِ دل چھوڑ کے جاتی ہو کہاں ساتھ
جب تک نہ ہو تکمیل جنوں یہ تو نہیں شرط
یوں رخ کو نہ دیکھوں گا مگر یاد جب آ جائیں
آنکھوں میں جگہ ان کو نہ دوں یہ تو نہیں شرط

دل کی طرف اشارہ سا کچھ کر کے رہ گئے
پوچھا جو میں نے ان کا مکاں وقتِ اختلاط

یوسف برائے نام تھے بازارِ مصر میں
تیرا ہی نور گرمیٔ بازار تھا فقط
افشا کیا ہی دل سے سوا کس نے رازِ عشق
یارب یہی تو ایک خبردار تھا فقط

جب دیکھیے نظر میں زمانہ سیاہ ہی
کتنا خیالِ زلف کو ہی تیرگی سے ربط
کیا پوچھتے ہیں ان کے اسیرانِ زلف کے
شوریدگی سے انس ہی آشفتگی سے ربط
دل ہیں انھیں کے ترکِ محبت کی جب ٹھنی
اب حشر تک تو ہم نہ کریں گے کسی سے ربط
ملتی ہی اس خودی کے بکھیڑے سے تو نجات
اچھا ہی عمر بھر جو رہے بیخودی سے ربط

ردیف (ظ)

تمام خلق میں رسوا ہوئے خراب پھرے
غرض حضور سے مل کر بہت ہوئے محظوظ
تری تڑپ کے اثر سے کسی نے بات تو کی
ہم آج ای دل مضطر بہت ہوئے محظوظ

نا صحبت می نوشی کیا ساتھ دیا میرا
ای ابر خدا حافظ ای بادِ خدا حافظ

واعظ میں جب نہیں اثر واعظ / کیوں پھراتا ہے اپنا سر واعظ
ترکِ الفت کی کھاؤں گا میں قسم / اس گھڑی دھیان ہے کدھر واعظ
منع رونے سے کیا کرے گا مجھے / اب تو ہے خود ہی چشمِ تر واعظ
پھر طریقِ وفا سے بہکانا / کوئی دم اور کر بسر واعظ
چشمِ جلاد ہم نے دیکھی ہے / اس نظر سے نہ دیکھ ادھر واعظ
جانتا تھا یہ کچھ سنے گا نہیں / ہنس پڑا مجھ کو دیکھ کر واعظ
فصلِ گل دیکھتے ہی سوجھی اور / آگیا اپنے رنگ پر واعظ
یاد کس کس طرح کے جلے ہیں / اپنے فن میں ہے خوب ہر واعظ

کیا آئی ہے برسات نہ کچھ لطف نہ کچھ حظ / اک یہ بھی ہیں دن رات نہ کچھ لطف نہ کچھ حظ
لڑنے میں بھی اک بات ہے ملنے میں بھی اک بات / بے جنگ و مدارات نہ کچھ لطف نہ کچھ حظ
خواب اس کے تماشے ہیں تو جلسے ہیں خیالی / دنیا ہے طلسمات نہ کچھ لطف نہ کچھ حظ
جب دل کہیں انساں کا ہو روح کہیں اور / کیا حرف و حکایات نہ کچھ لطف نہ کچھ حظ
کیا بیٹھیے بے نغمۂ می بزمِ طرب میں / اب آگئی ہے رات نہ کچھ لطف نہ کچھ حظ

ردیف (ع)

فرقت کی شب میں اس کا جہاں سامنا ہوا / شب بھر طبیعت اپنی بجھاتی ہے اور شمع
رونا ہے اک تو ہجر کا یوں ہی تمام شب / آنسو بہا بہا کے رلاتی ہے اور شمع
ہوتی نہیں ہے جل کے یہ خاموش وقتِ صبح / آفت زدوں کو راہ بتاتی ہے اور شمع
روتی ہے اک طرح پہ جو محفل میں رات بھر / قیمت ان آنسوؤں کی گھٹاتی ہے اور شمع

سوزِ دل کا جب کیا چاہے بیاں مانندِ شمع
آدمی پیدا کرے پہلے زباں مانندِ شمع

کیا بتائیں کون سی محفل میں آنکلے تھے ہم
عمر بھر سوزاں رہی روحِ رواں مانندِ شمع

کس طرح کا ہے یہ جلنا مجھ سے تو کہہ دو وحید
سر سے آگ اپنے لگائی ہے کہاں مانندِ شمع

سر میں وحشت کے پھر ہیں سامان جمع
کررکھوں پُر زِ پارۂ داماں جمع

لطف ہی کوچۂ جاناں میں نہیں
ہوں نہ جب تک کچھ اہلِ ایماں جمع

جائیں ہم سے برہنہ پا یوں کیا
خار پہلے کرے بیاباں جمع

لاؤں جو زباں پر میں وحید اپنا فسانہ
تا حشر نہ ہو سلسلۂ نطق و بیاں قطع

دونوں نہیں ہیں آپ میں آئینہ دیکھ کر
اس وقت وہ کہیں ہیں تو ان کی کہیں ہے وضع

اب کہری کی بات میں اک فرق ہے وحید
پہلے جو دیکھی تھی وہ کسی کی نہیں ہے وضع

ردیف (غ)

پھر شاید آنے والی ہے اس شعلہ رو کی یاد
بے طور جل اٹھے ہیں کئی بار دل کے داغ

ہے یادِ رفتگاں کا انھیں سے نشاں وحید
جانے نہ پائیں دل سے خبردار دل کے داغ

ابرِ بہار قطرہ فشاں ہے عجب نہیں
دھوئیں جو آج رندِ قدح خوار دل کے داغ

گلشن میں سیرِ گل سے مجھے اک جنوں ہوا
ایسے مرے گلے کے ہوئے ہار دل کے داغ

ہر دم یہی جو آئینہ داری ہے حسن کی
ظاہر کریں گے عشق کا اسرار دل کے داغ

سینہ ہے عشق حسن سے گنجینہ فیض کا | ہیں یادِ رخ میں مظہرِ انوار دل کے داغ
تونے خبر جو آکے نہ لی اے ہوائے غم | پژمردہ ہو کے رہ گئے ناچار دل کے داغ
وحشت ہماری کیوں نہ ہو مستانہ پن کے ساتھ | ہیں عکس چشم ساقی سرشار دل کے داغ

کعبہ میں بت کدے میں اسی کا ہے سب ظہور | روشن کہاں نہیں ہے ترے نام کا چراغ
پیری میں مجھ کو صدمۂ داغِ شباب ہے | آیا ہے یادِ وقتِ سحر شام کا چراغ
مضمونِ غیب جب نہیں آتا کہیں نظر | لاتی ہے فکر جلوۂ الہام کا چراغ
نشہ میں اس کے نور کو تو دیکھنا وحید | ساقی کی چشم مست ہے یا جام کا چراغ

نفسِ گرم نے نہیں معلوم | دل بجھا کر کدھر جلائے چراغ
رخِ جاناں کی یاد آئے گی | ہو کے روشن ادھر نہ آئے چراغ
سوزِ پروانہ سے جو سچ پوچھو | کوئی واقف نہیں سوائے چراغ
میں بھی پھنکتا ہوں سوزِ غم سے وحید | اپنے ہی جلنے پر نہ جائے داغ

شورِ قفس نہیں جو سزاوارِ سر دماغ | بلبل خدا کے واسطے خالی نہ کر دماغ
دو دن کی زندگی پہ انھیں اس قدر دماغ | کرتے ہیں کیا سمجھ کے الٰہی بشر دماغ
صدمہ اٹھا کے ہجر کا منہ سے نہ کچھ کہے | اب وہ یہاں کسی کا نہیں دل جگر دماغ

نہ بھولیں گے تا حشر فرقت کے داغ | کلیجہ پہ ہیں دل کی حسرت کے داغ
رگڑنے کو ہر در پہ رگڑو جبیں | مٹائے سے مٹتے ہیں قسمت کے داغ
امیدِ وفا کس کو دنیا میں ہو | ہمیں لے چلے دل پہ حسرت کے داغ

ضعیفی میں اب اپنا جلنا ہی کیا | چراغ سحر ہیں محبت کے داغ

دمِ عتاب یہ تیور ہی کیا ہیں قہر کی تیغ | نگاہ بھی تو بجھائے ہوئے ہے زہر کی تیغ
اٹھائے حادثۂ نو کے دل پہ کیا کیا زخم | مجھی پہ صاف ہوئی لاکھ بار دہر کی تیغ

ردیف (ف)

بے یار کے ان روزوں محبت میں ہمارا | کیا حال ہوا ای دردِ جگر ہم نہیں واقف
کھلتا نہیں یاد آتا ہے کس کا ہمیں رہنا | رو دیتے ہیں کیوں دیکھ کے گھر ہم نہیں واقف
کھینچے لیے جاتا ہے کدھر شوقِ شہادت | جاتے ہیں کہاں سینہ سپر ہم نہیں واقف
کیا کہہ گئی آہستہ نسیم آ کے الٰہی | خاموش ہے کیوں شمع سحر ہم نہیں واقف
ہوتا نہیں جس دن سے وحید ان کا نظارہ | اس دن سے ہے کیا پیشِ نظر ہم نہیں واقف

وحشت میں ہیں گو عازمِ صحرا مگر ای دل | لے جائے گی تقدیر کدھر ہم نہیں واقف
یوں بزم میں سب ان کی سمجھ لیتے ہیں باتیں | آنکھوں کے اشارے سے مگر ہم نہیں واقف
آتے ہوئے دیکھا تھا فقط تیرِ نظر کو | زخمی ہوا کس طرح جگر ہم نہیں واقف
کھویا ہوا ہے ان کی محبت میں یہاں کون | کس کی نہیں ملتی ہے خبر ہم نہیں واقف
معلوم نہیں نزع میں کس کا ہے تصور | کیا ڈھونڈتے ہیں وقت سفر ہم نہیں واقف

ہم کو تو وحید اس کا یقیں ہوگا نہ ہرگز | ہر لحظہ وہ دل میں ہو نہاں تم نہ ہو واقف

کیوں کر نہ پاؤں دل کا وطن میں کچھ اور لطف
ہے گل کی تازگی کا چمن میں کچھ اور لطف

مہمان مدتوں جو رہی ہے کسی کی یاد
اب تک ہے میرے خانۂ تن میں کچھ اور لطف

پامال نازِ یار ہوا بھی یہ دل تو کیا
بے چینی اس کی رکھتی تھی تن میں کچھ اور لطف

نظر نہ جائے گی اب اپنی ماسوا کی طرف
خراب ہو کے بہت آئے ہیں خدا کی طرف

زمانے کا ہے یہی رنگ اس کی فکر نہیں
اگر زمانہ ہوا تم سے بے وفا کی طرف

عدم میں تھے نگہِ یار کی خبر بھی نہ تھی
کہاں کھنچے ہوئے آئے ہیں قضا کی طرف

ہوئے تھے ہمہ تن گوش کس کے واسطے ہم
خیال تھا ابھی کس کی صدائے پا کی طرف

ہوائے زلف ہی لائی ہے دام میں اپنے
قدم ہم آپ سے رکھتے نہیں بلا کی طرف

جہاں سے کوچ کی دیتا ہے ہر نفس آواز
کسی کے کان نہیں نالۂ درا کی طرف

ترے فراق میں جب سے نہیں امید اثر
خیال بھی نہیں جاتا کبھی دعا کی طرف

نظر ہے خاص زمانے کے رنگ پر اپنی
نہ ابتدا کی طرف ہے نہ انتہا کی طرف

جب گرفتارِ بلا کرنے پہ آجاتی ہے زلف
ایک دل کے واسطے سو جال پھیلاتی ہے زلف

مجھ کو ہے اپنی مصیبت میں کہاں اس کا خیال
شام فرقت کی سیاہی یاد دلواتی ہے زلف

دل کو ہونے دو ابھی سودائے الفت میں اسیر
دیکھ لیں گے پیچ پھر اس کے کہاں جاتی ہے زلف

ہر سمت لیے پھرتی ہے مجھے بے فائدہ کیوں اس عالم میں
بہتر ہے یہی اب کھول کمر اے ہستی موہوم ایک طرف

یہ آئینہ خانہ ہے کس کا کہتے ہیں جسے سب لوگ جہاں
آتا ہے نظر ہر سمت وہی ہوتا ہے جو معلوم ایک طرف

پہلے سے ارادہ ہم تو کبھی کرتے نہیں اب جائیں کہاں
تقدیر میں جب ہوتا ہے سفر لے جاتا ہے مقسوم ایک طرف

آنکھوں سے مقابلہ ہے دل کا کیا فیصلہ ہوتا ہے دیکھیں
دو سحر کے حاکم ایک طرف سو ناز کا محکوم ایک طرف

خودداری و ضبط الفت کا ای پردہ نشیں وہ وقت گیا
رسوائی کا چرچا ایک طرف وحشت کی ہے اب دھوم ایک طرف

کچھ بندۂ مجبور آپ کے ہیں ہاتھوں سے کلیجہ تھامے ہوئے
آلودۂ خوں آتے ہیں نظر کچھ کشتۂ مظلوم ایک طرف

مے خوار بھی اپنی مستی کا دکھلاتے ہیں اک جانب عالم
اچھا تو ہے آکر ابر سیہ تو سوئے چمن جھوم ایک طرف

ردیف (ق)

نہ دیکھوں تا حشر رُخ ساحل تو اب کنارہ کروں گا غم سے
غریق دریا کو کیا خطر ہے اگر ہے دریا عمیق مشفق

جو دین و دنیا کو دیکھتا ہوں مری نظر میں ہیں دونوں قلزم
کوئی ہے اس کا غریق مشفق کوئی ہے اُس کا غریق مشفق

غضب ہیں قہر ہیں آفت ہیں صدمہ ہائے فراق
خدا کسی کو نہ دے دردِ لا دوائے فراق

خیالِ وصل ہو اس کا کہاں دماغ مجھے
جنوں کی تو نہ باتیں مجھے سنائے فراق

وحید کوئی نہیں اس کا پوچھنے والا
زمانہ بھر سے ہے بیگانہ آشنائے فراق

یہ امتحان محبت سے بھی زیادہ ہے سخت
خدا وہ دن نہ کرے مجھ کو آزمائے فراق

ہم اشک باریٔ غم کے ہم آپ باعث ہیں
ہمیں نہ رد ئیں تو کیوں کر ہمیں رلائے فراق

گناہ گار محبت بہت سے انساں ہیں
ہر ایک لحظہ مجھی پر نہ قہر ڈھائے فراق

خوشی کا بھی وہی خالق ہے جو ہے خالق غم
ملال دیکھ کے میرا نہ مسکرائے فراق

غزل مسلسل در بیانِ عشق

کیا پوچھتے ہو ہم نفسو مجھ سے کیا ہے عشق
آفت ہے اک عذاب ہے قہرِ خدا ہے عشق

غنچہ میں مثل بو کہیں پنہاں ہوا ہے عشق
مانند رنگ گل کہیں جلوہ نما ہے عشق

رکھتا ہے زیرِ لب کہیں سو داستانِ شوق
بلبل کی طرح سے کہیں نغمہ سرا ہے عشق

کنج قفس میں ہے کہیں خواہانِ سیرِ باغ
مرغانِ بوستاں کا کہیں ہم نوا ہے عشق

اڑ جانے کا ہے صورتِ بو منتظر کہیں
برباد کرنے کو کہیں روشِ صبا ہے عشق

لیلیٰ صفت کہیں ہے تمنائے قیس میں
لیلیٰ کو مثلِ قیس کہیں ڈھونڈھتا ہے عشق

شیریں صفت کہیں ہے یہ مشتاقِ جوئے شیر
فرہاد کی طرح کہیں زور آزما ہے عشق

عاشق کی ذات ہے کہیں معشوق کی صفت
اہلِ وفا کہیں ہے کہیں بے وفا ہے عشق

آگاہ ہو کے حال سے بیگانہ ہے کہیں
پہچانتا نہیں کہیں اور آشنا ہے عشق

آزاد ہو کے بستۂ زنجیر ہے کہیں
پابندِ دام ہو کے کسی جا رہا ہے عشق

افسانہ سن کے حسن کا دیوانہ ہے کہیں
آئینہ دیکھ کر کہیں محوِ لقا ہے عشق

خود خضرِ راہ ہے یہ کہیں راہ بھول کر
گم کردہ راہ ہو کے کہیں رہنما ہے عشق

دکھلاتا ہے یہ کاہ میں اپنا اثر کہیں
تاثیر میں کہیں صفتِ کہربا ہے عشق

خوش حال ہے کہیں کہیں مستغنی المزاج
اہلِ غرض کہیں ہے کہیں التجا ہے عشق

شکلِ وفا کہیں ہے یہ دینے کو اپنی جاں
سر کاٹ لینے کو کہیں تیغ جفا ہے عشق

محفل میں مثلِ شمع کہیں ہے یہ دل فروز
پروانہ وار جل کے کہیں رہ گیا ہے عشق

ذرّہ میں جلوہ گر ہی کہیں مثلِ آفتاب
خورشیدِ حسن کا کہیں نور و ضیا ہی عشق

غمّاز پردہ در ہی کہیں صورتِ نگاہ
پوشیدہ آنکھ میں کہیں مثلِ حیا ہی عشق

رسوائی کے لیے ہی کہیں چاکِ پیرہن
زینت کے واسطے کہیں چاکِ قبا ہی عشق

ذلّت کے ساتھ ہی کہیں عزت سے ہی کہیں
خاکِ قدم کہیں ہی کہیں توتیا ہی عشق

امیدِ وصل کا ہی کہیں اہلِ احتیاج
یاس فراق کا کہیں حاجت روا ہی عشق

رکھتا ہی ہاتھ میں کہیں ہر قفل کی کلید
بابِ اثر کہیں کہیں دستِ دعا ہی عشق

فریاد رس کہیں ہی کہیں دادخواہِ غم
تاثیر ہی کہیں کہیں آہِ رسا ہی عشق

دل کا کہیں ہی شوق کہیں ہی سرورِ روح
سیرِ چمن کہیں کہیں لطفِ ہوا ہی عشق

نغمہ صفت کہیں ہی یہ پردے میں گوش کے
سازِ شکستہ ہو کے کہیں بے صدا ہی عشق

ناقص عیار ہی جو بگڑ جانے میں کہیں
بن پڑنے میں کہیں صفتِ کیمیا ہی عشق

صورت کہیں ہی معنیِ توحید ہی کہیں
روئے بتاں کہیں کہیں نورِ خدا ہی عشق

کچھ اس کو جا کے دور نہیں ڈھونڈھنا وحید
جس سمت دیکھیے وہیں رونق فزا ہی عشق

اک خلق سے سنا کہ غضب ہی بلا ہی عشق
یہ آج تک مگر نہ کھلا بھید کیا ہی عشق

آغاز میں جو ہی یہی رونا تو جی چکے
صدمے کچھ اور ہوں گے ابھی تو نیا ہی عشق

ای دل یہ روزِ ہجر میں کیا جی پہ بن گئی
کم بخت تجھ سے کہتے نہ تھے ہم بلا ہی عشق

میں کیا سناؤں دیدۂ پرخوں کا ماجرا
تم آپ دیکھو رنگ جو کچھ لا رہا ہی عشق

خالق بچائے حسن کے ایمائے قتل سے
میں ان کو دیکھتا ہوں مجھے دیکھتا ہی عشق

مٹی خراب اہلِ وفا کی بھی ہو تو کیا
جب خود ہلاکِ شیوۂ ظلم و جفا ہی عشق

فرقت میں جان دینے کی جب دل پہ ٹھن گئی
اب اس سے کام کیا ہی برا یا بھلا ہی عشق

کچھ حسنِ یار ہی یہ ہی رشکِ آفتاب
ہر چند ذرے ذرے میں جلوہ نما ہی عشق

رکھیں قدم بچا کے بلاؤں سے کس طرف دیکھا نہیں جو آنکھ سے وہ راستا ہے عشق

اب نہ وہ دل ہے نہ اگلا اشتیاق ان کے آتے ہی ہوا کیا اشتیاق
اس قدر تو بڑھ گیا ان کا حجاب دیکھیے کرتا ہے اب کیا اشتیاق
آپ ہی کا اور عالم ہے وحید اک زمانے کو ہے ان کا اشتیاق

جس نے دونوں کے اٹھائے ہیں کلیجے پر زخم جانتا ہے وہی جو ہے نظر و تیر میں فرق

سب اپنے ہیں نکلے جو اس بحر غم سے ہوا چل رہی ہے یہیں ناموافق
سلف سے یہی حال سنتے ہیں اس کا ہمیں سے زمانہ نہیں ناموافق
وحید اس زمانے کے شکوے سے مطلب کہیں ہے موافق کہیں ناموافق

ردیف (ک)

پاتا ہوں وہی دل میں ہجوم غم و حرماں شکر اس کا ہے آباد یہ بستی ہے ابھی تک
کیا ہونا ہے انکار سے اب بادہ کشی کے موجود ان آنکھوں میں تو مستی ہے ابھی تک
کیا جھومتے ہیں پا کے ہوا موسم گل کی دل پر اثر بادہ پرستی ہے ابھی تک

دیکھے دل شیدا کا تڑپنا کوئی کب تک ہاتھوں سے پکڑے نہ کلیجہ کوئی کب تک

یہی جو شام سے ہے اس کا جلنا کرے گی شمع سوزاں کیا سحر تک

باتوں میں رات ایک تصور سا بندھ گیا / دیکھا کیا میں یار کی تصویر دیر تک
کس سحر کا تھا دیکھنا ان کا نہ پوچھیے / دل پر رہی نگاہ کی تاثیر دیر تک

تھرا کے رہ گیا میں ادھر سر سے پانو تک / کی اس نے دفعتاً جو نظر سر سے پانو تک
اب کیا خزاں میں پوچھتے ہو جب بہار تھی / کیسے لدے ہوئے تھے شجر سر سے پانو تک
آنکھوں میں ایک نور کی تصویر پھر گئی / دیکھا جو اس کو وقتِ سحر سر سے پانو تک
مایوسیِ جواب تو صورت سے ہے عیاں / قاصد ہے آپ شکلِ خبر سر سے پانو تک

ردیف (گ)

ہر نقش ہے مصورِ قدرت کا یادگار / صورت کا پہلے دیکھ لے خاکا تو دیکھ رنگ
یہ کیا ہے رنگِ نشۂ مے بزمِ دہر میں / اس کی نگاہِ ہوش رُبا کا تو دیکھ رنگ
ملکِ بقا کا بھی نظر آجائے گا سواد / کچھ روز رہ کے دارِ فنا کا تو دیکھ رنگ
سر سبز ہو کے، پھول کے مرجھا کے، سوکھ کے / مانندِ آب و خاک ہوا کا تو دیکھ رنگ
ساقی یہی ہے وقت شراب و کباب کا / آنکھ اس طرف اٹھا کے گھٹا کا تو دیکھ رنگ
پیشِ نظر ہے عرش سے تا فرش ایک نور / روزِ وصالِ ارض و سما کا تو دیکھ رنگ

نسریں میں ہے نہ آگ نہ ہے نسترن میں آگ / دل ہے جلا ہوا تو ہے سارے چمن میں آگ
پھونکیں گے سب لباس کو ہم سے جنوں زدے / بھڑکی جو رنگِ موسمِ گل سے چمن میں آگ
اب رفتہ رفتہ پھیل گئی سب جہان میں / پیدا ہوئی تھی عشق کی پہلے وطن میں آگ

ن: کچھ رہ کے پہلے۔

وقتِ بہار گل کے جو شعلے بھڑک اٹھے
گویا لیے ہوئے تھے یہ غنچے دہن میں آگ
چہرے پہ ہوتی نور پرستش کی بھی جگہ
ہوتی جو عشقِ بت کی دلِ برہمن میں آگ

اس باغ کا دو دن نہیں رکھتا ہی تھا رنگ
کل دیکھیے کیا رنگ تھا اور آج ہے کیا رنگ
آتا ہی نظر جسم کا بالائے قبا رنگ
کس نور کے انسان ہو کیا حسن ہے کیا رنگ
کیا لطف دکھا جاتی ہے دزدیدہ نگاہی
ان آنکھوں کا دیکھے تو کوئی وقتِ حیا رنگ
کیا دامنِ قاتل کی ہوئی خون سے زینت
لائی جو شہیدانِ محبت کی وفا رنگ
پھر سرخ نظر آتے ہیں آنکھوں میں وہ شاید
کچھ ہم سے تو بتلاؤ طبیعت کا ہے کیا رنگ

کیا کام میرے سامنے اب ان کے ذکر کا
بے چین مجھ کو پا کے رُلاتے ہیں اور لوگ
ناصح خودی نے کبھی کوچے میں عشق کے
دھوکا اسی مقام پہ کھاتے ہیں اور لوگ
مجھ سے کریں گے حضرتِ دل کیا سلوک خضر
بھولے ہوؤں کو راہ بتاتے ہیں اور لوگ
شاید سنا نہیں مری آشفتگی کا حال
ان گیسوؤں میں دل کو پھنساتے ہیں اور لوگ

گل و خار اس چمن میں جس قدر ہیں
نظر آتا ہے سب میں یار کا رنگ
غضب ہے وہ لگاوٹ چتونوں کی
نگاہوں سے ہے پیدا پیار کا رنگ

آنکھوں کو نگاہوں کو اداؤں کو دکھا کر
جو سحر سا کرتے ہیں وہ ساحر بھی ہیں کیا لوگ
چل کر بھی اگر خاک ہوں تو لب نہ ہلائیں
اے رازِ حقیقت ترے ماہر بھی ہیں کیا لوگ
پہلے بھی یہ باتیں تھیں جب ان کی تھی صحبت
انسان بنا دیتے ہیں شاعر بھی ہیں کیا لوگ

دیکھنے والے ہیں جو آپ کی صورت کے لوگ
وہی انساں تو ہیں بے عیب طبیعت کے لوگ

آگے آتے تھے نظر اور طبیعت کے لوگ
اب زمانے میں کہاں ہیں وہ محبت کے لوگ

عمر بھر جو ترے کوچے سے نہ نکلیں باہر
میرے نزدیک وہی لوگ ہیں جنت کے لوگ

جاکے صحرا میں جو دیکھا ترے دیوانوں کو
کس قدر نکلے ستائے ہوئے وحشت کے لوگ

کیا کسی ظلم رسیدہ کا سنیں دم بھر حال
آپ مارے ہوئے ہیں اپنی مصیبت کے لوگ

کس کی رفتار نہیں آفتِ جاں عاشق
خوش قدوں کی نہ کہو وہ ہیں قیامت کے لوگ

تیرے تیور سے یہ ہوتا ہی عیاں او سفاک
ہوتے ہیں قاتل عالم اسی صورت کے لوگ

پائی دنیا کے بکھیڑوں سے جو مقتل میں نجات
رکھ کے سر سو گئے سجدوں میں شہادت کے لوگ

انتظار آپ کا جب حد سے گزر جاتا ہی
شکل بن جاتے ہیں خود یاس کی حسرت کے لوگ

خواب طفلی کا جو آئے بھی ضعیفی میں خیال
صبح کے وقت کہاں شام کی صحبت کے لوگ

پہلے سے ہوتی ہی کچھ تیری عنایت شامل
رازداں یوں نہیں ہوتے ہیں حقیقت کے لوگ

کس قدر گردشِ گردوں سے پریشاں ہیں وحید
کچھ کہیں ہیں ابھی جو بکھری ہوئی صحبت کے لوگ

ردیف (ل)

رخصت کی سناتے ہو دہلتا ہی مرا دل
تم ہاتھ سے دیکھو تو اچھلتا ہی مرا دل

کس طرح سے فرقت میں نہ جی رُنے کو چاہے
اندر سے کوئی سینے میں ملتا ہی مرا دل

اس عشق سے پہلے مجھے ایسی نہ خبر تھی
میرا ہی لہو پینے کو پلتا ہی مرا دل

ہوتے ہیں تصور سے جو نقشے نئے ایجاد
ہر روز نیا رنگ بدلتا ہی مرا دل

کرتا ہوں ترے کوچے کے چلنے کا میں جب قصد
تب دو قدم آگے مرے چلتا ہی مرا دل

گھبراتی ہی جب گرمیِ الفت سے طبیعت
پنکھا نفس سرد کا جھلتا ہی مرا دل
رکھتا ہوں میں جب ہاتھ تصور میں کسی کے
سینے میں وحید اور اچھلتا ہی مرا دل

مجھ پر ترے مدت سے ہیں لطف ای غم دلدار
کیا آج سے شرمندۂ احساں ہی مرا دل
معلوم نہیں ہی مجھے کیا ڈھونڈھ رہا ہی
کس کے لیے اس درجہ پریشاں ہی مرا دل
ظاہر کی جو دیکھو تو ہی کافر سے بھی بدتر
باطن کی جو پوچھو تو مسلماں ہی مرا دل

اس دن سے کوئی شعر نہیں درد سے خالی
جس دن سے مرے ساتھ غزل خواں ہی مرا دل

آشفتۂ گیسو کے تو ہی ذکر سے نفرت
پھر کیا ہی جو ان روزوں پریشاں ہی ترا دل
ایسی تو محبت میں ہوا کرتی ہیں لاکھوں
وہ بات ہی کیا جس سے پشیماں ہی ترا دل

کس سے کہیے ماجرائے دردِ دل
کون کرتا ہی دوائے دردِ دل
تیرے لائق کی نہ پائی کوئی چیز
ہاں مگر دنیا سے لائے دردِ دل
میری آنکھوں میں جگہ ہی اشک کی
میرے سینے میں ہی جائے دردِ دل
جب سے وہ آرامِ جاں ہم سے چھٹا
آئی ہی سر پر بلائے دردِ دل
می کنم ہر روز نالہ در فراق
می زنم ہر شب نوائے دردِ دل

ہو گی کہاں یہ زمزمہ سنجی بھی اے صبا
اپنا قیام باغ میں ہی تا زمانِ گل
رنگینی کس کے رخ کی یہ آنکھوں میں پھر گئی
جا کر نظر جو رہ گئی اپنی میانِ گل
سینے میں عاشقوں کے ہی داغِ غمِ فراق
یا دل میں بلبلوں کے بنائے مکانِ گل

خارِ الم سے چین نہیں عندلیب کو
دل پر بُری طرح سے لگی ہی سِنانِ گُل

اب اس قدر تو یاد نہیں داستانِ گُل
کرتی ہی عندلیب قفس کچھ بیانِ گُل

دونوں ہیں عشق و حسن میں کامل ہم اور تم
اک روح عندلیب کی ہی اک جانِ گُل

بادِ صبا کی عقدہ کشائی سے وا ہوا
پوشیدہ تھا جو غنچہ میں رازِ نہانِ گُل

پُر درد ہی فسانۂ بلبل اسی قدر
ہی جس قدر خوشی سے بھری داستانِ گُل

اب ذکرِ عندلیب نہ پوچھو تو خوب ہی
بہتر یہی ہی اب نہ سنو کچھ بیانِ گُل قطعہ

صیاد کے ستم سے مٹا نامِ عندلیب
گلچیں کے ہاتھ سے نہ رہا کچھ نشانِ گُل

اک ایک خار میں نظر آجائے شانِ گُل
ظاہر ہو بلبلوں پہ جو رازِ نہانِ گُل

جسمِ لطیفِ یار میں ہی اس طرح سے روح
جس طرح سے چمن میں لطافت ہی جانِ گُل

جھکنا ہی شاخِ گُل کا سجودِ نمازِ لطف
آوازِ جوشِ خندہ اگر ہی اذانِ گُل

میں دل کی روشنی سے جو دوں فکر کو فروغ
یا کچھ زباں پہ اپنی میں لاؤں بیانِ گُل قطعہ

پروانہ حکم دے تو جلاؤں ہزار شمع
بلبل اگر کہے تو بساؤں جہانِ گُل

جب وہ مہِ کامل ہی پہلو میں نہیں اپنے
نکلا ہی فلک پر کیوں یہ ماہِ تمام اے دل

رخصت جو وہ ہوتے ہیں گھبرائے سے کیا حاصل
انسان کو ہوتا ہی آخر کوئی کام اے دل

سب کی جو زباں پر ہی افسانہ نہیں اپنا
کس بات کا ان روزوں ہی شہرۂ عام اے دل

سو باتیں جہاں جی میں انسان کے آتی ہیں
اک بات یہ ہوتا ہی آخر کو قیام اے دل قطعہ

لیکن جو تجھے دیکھا ہم نے تو خلاف اس کے
ہر بات کے پہلو میں ہی تیرا مقام اے دل

دیکھیں غمِ تنہائی کیا آفتیں لاتا ہے — رو رو کے دن تو گزرا اب آتی ہے شام اے دل
ہر شام سے فرقت میں کرتا ہے جو تو نالے — اس رات کو بھی ہوگی کیا نیند حرام اے دل
اس کا تو یہی عالم ایجاد کے دن سے ہے — کیا آج سے دنیا ہے عبرت کا مقام اے دل

حاصل جو ہونے والی ہے کچھ آرزوئے دل — دل یار کی طرف ہے نگاہیں ہیں سوئے دل
بجز ذکرِ یار اور کسی کا نہیں ہے نام — کانوں سے اپنے میں نے سنی گفتگوئے دل
دیوانگیِ عشق سے جاتی رہی وہ آب — موتی کی سی جہان میں تھی آبروئے دل
پہلے سے ایک درد سا ہوتا ہے سینے میں — آتا ہے اس نگاہ کا جب تیر سوئے دل
حیرت کی میری آنکھوں میں کیوں کر جگہ نہ ہو — آئینہ آپ دیکھتے ہیں روبروئے دل

آدمی کا جب کہیں آتا ہے دل — کس قدر سینے میں گھبراتا ہے دل
یوں کسی کے ہاتھ سے کھوتا نہیں — جب کوئی لیتا ہے تب جاتا ہے دل
کس قدر ہے راہِ اُلفت پُرخطر — کانپتی ہے روح تھراتا ہے دل
جوشِ وحشت میں نہیں یہ بھی خبر — کس طرف مجھ کو لیے جاتا ہے دل
آگے تھی قاصد کے دم سے زندگی — یار کا پیغام اب لاتا ہے دل
ہم کبھی دیوانہ کہتے تھے اسے — اب ہمیں سے تنکے چنواتا ہے دل
کیا طبیعت جا کے بہلائیں کہیں — ہر طرف سے کچھ بجھا جاتا ہے دل
کچھ نہ پوچھو آج کے رونے کا حال — خود بخود پانی ہوا جاتا ہے دل
پہلے کھنچواتا تھا ان کا انتظار — راستا اب اپنا دکھلاتا ہے دل
جستجو میں کھو چکے جب عقل و ہوش — اب نشاں کچھ ان کا بتلاتا ہے دل
ان کے خط سے ہم کو مل جاتا ہے کیا — غیر کچھ تسکین پا جاتا ہے دل

لینے دیتی ہے کہیں وحشت قرار　　کس جگہ بہلائیے بے یار دل
میہماں ہوتے نہیں جس روز آپ　　ہر جگہ جاتا ہے سو سو بار دل
یہ بھی اک قسمت کی خوبی ہے وحید　　وہ مسیحا ہوں، رہے بیمار دل

ہر دم انھیں کا رکھتی ہے جانِ حزیں خیال　　قسمت کی بات ہے انھیں اس کا نہیں خیال
آگے جہاں تھے ہم وہیں تھا ہم نشیں خیال　　اک وقت یہ بھی ہے کہ کہیں ہم کہیں خیال
آپ اپنی یاد کی تو نہ کچھ مجھ سے پوچھیے　　میں جب سفر میں بھی تھا مرا تھا یہیں خیال
کیا جانے کیا ہے کرتے ہیں کیا وہ بھی مجھ کو یاد　　رہتا ہے چند روز سے ہر دم وہیں خیال
پہنچا دیا ہے عشق نے ایسے مقام پر　　جاتا نہیں کبھی طرفِ کفر و دیں خیال

ترے ہجر میں کٹی شب مجھے حسرتِ سحر تھی　　مگر ایسی کوئی مجھ پہ نہیں آئی رات مشکل
کوئی مثلِ گل ہے نکہت سے جو ہم بغل بھی تو کیا　　کہ خودی کی بو ہے جب تک ہے وصالِ ذات مشکل
نہیں اب وحید کچھ بھی مجھے خوفِ روزِ محشر　　جو بھی ہے اس کی رحمت تو ہے کیا نجات مشکل

ردیف (م)

کیا غضب ہے اپنے پہلو میں نہ ہو وہ رشکِ ماہ　　اور دیکھیں چاندنی کا یہ سماں آنکھوں سے ہم
گوشِ دل سے آپ اگر سنیے تو وقتِ نزع بھی　　کر رہے ہیں حالتِ دل کا بیاں آنکھوں سے ہم
اُڑ گئے پہلے ہی سے کہہ کر یہ مرغانِ چمن　　موسمِ گل کی نہ دیکھیں گے خزاں آنکھوں سے ہم

ہر شام ذکرِ زلفِ معنبر ہے اور ہم　　ہر صبح اُن کا عارضِ انور ہے اور ہم

بُت خانہ کس کو کہتے ہیں کعبہ ہے کس طرف
اس بُت کے آستانے کا پتھر ہے اور ہم
ہم سے اشارہ ہے یہی رخسارِ یار کا
ذرہ نواز مہرِ منوّر ہے اور ہم

تا غیروں پہ کھل جائے نہ احوالِ محبت
اس واسطے کرتے نہیں آنسو بھی رواں ہم
ایسی کوئی جا ہم کو جہاں میں نہیں ملتی
آسودۂ غم یار سے ہو جائیں جہاں ہم
سامانِ سفر کچھ نہ کریں یہ نہیں ممکن
کچھ یہ بھی تو معلوم ہو جائیں گے کہاں ہم
سب بھول گئے عشق میں کچھ یاد نہیں ہے
کیا تم سے کہیں کون ہیں رہتے ہیں کہاں ہم
گو تن پہ نظر آتے ہیں آثارِ ضعیفی
پاتے ہیں مگر اپنی طبیعت کو جواں ہم

سچ پوچھو تو دنیا میں بہت دن رہے آباد
اب جاکے بساتے ہیں نیا اور جہاں ہم
اس آئینہ خانے میں ہمیں لائی ہے تقدیر
تا عمر رہیں محوِ رخِ یار جہاں ہم
اس دم تو پتہ پوچھتے پھرتے ہیں کسی کا
پوچھیں گے کوئی دم میں وحید اپنا نشاں ہم

کیوں دونوں جہاں صید ہوں ہاتھ سے اپنے
تقدیر کے ناوک ہیں تو قدرت کی کماں ہم
آتا ہے نظر رنگِ بقا اپنی فنا میں
غائب جو یہاں سے ہیں تو حاضر ہیں وہاں ہم

ہیں کافر و دیں دار میں سرگرمِ فغاں ہم
بُت خانے میں ناقوس ہیں کعبے میں اذاں ہم
سو طرح کا رکھتے ہیں خموشی میں بیاں ہم
غنچے کا دہن ہیں کبھی سوسن کی زباں ہم
دردِ غمِ الفت ہیں کبھی اشک رواں ہم
پنہاں جو دلوں میں ہیں تو آنکھوں سے رواں ہم
ہستی میں ہے یہ جوش و خروش اپنے ہی دل کا
پہلو میں کہیں دل کہیں قالب میں ہیں جاں ہم

نظارہ کی حسرت سے فرصت تو نہیں ملتی
جاکر وہیں رہ جاتی کاش اپنی نظر ظالم
وہ روشنئ عارض یاد آگئی پھر شاید
پھر سامنے آنکھوں کے ہی نورِ قمر ظالم
مظلوم کی آنکھوں سے آنسو جو نکلتے ہیں
نایاب ہیں ایسے ہی دنیا میں گہر ظالم

یاد آگئی کیا دل میں پھر ناوکِ مژگاں کی
برچھی سی لگا تا ہی پھر کوئی ادھر ظالم
صیاد قفس سے تو کرتا ہی رہا مجھ کو
بے بال و پری کی بھی ہی تجھ کو خبر ظالم

لیے پھرتی تھی جب دیر و حرم میں دل کی بیتابی
تجھی کو ہر جگہ پر جلوہ فرما دیکھتے تھے ہم
کسی عالم میں ہوں پر دید سے غافل نہیں رہتے
ابھی تو خواب میں بھی ان کا جلوہ دیکھتے تھے ہم
نظر میں جب تری رفتار کا عالم سمایا تھا
جدھر جاتے تھے اک ہنگامہ برپا دیکھتے تھے ہم
بھرے ہیں اشک آنکھوں میں عجب احوال ہے دل کا
نہیں معلوم اس دم نیند میں کیا دیکھتے تھے ہم
نہیں دیکھا تھا جس مضموں کو لطف شاعری یہ ہے
بیاں کرتے ہیں اس کو ایسا گویا دیکھتے تھے ہم

یہ آنکھیں نرگسی سنبل سی زلفیں پھول سے عارض
تمہارے گھر میں جب آتے ہیں کیا کیا دیکھتے ہیں ہم
عجب احوال ہو جاتا ہی حیرانی سے حیرت کا
کسی کی آنکھ میں جب عکس اپنا دیکھتے ہیں ہم
نظر سے دیکھتے ہیں جس طرف شوق تماشا ہیں
اسی جانب کو نقش یار پیدا دیکھتے ہیں ہم
ہمارے دل کا مطلب ہی سمجھ سے سب کی باہر ہے
کوئی کیا جانے ان کی شکل میں کیا دیکھتے ہیں ہم

رہے نہ چین سے دم بھر تلاشِ یار میں ہم
عدم سے آئے تھے کیا جانے کس دیار میں ہم
کچھ اور کام تو اپنا نہ تھا یہاں اے دل
یہ تجھ پہ رونے کو آئے تھے کوئے یار میں ہم
بتوں کے عشق سے پائی اگر نجات وحید
کریں گے عمر بسر یادِ کردگار میں ہم

جو عشق گل سے ہیں سب حسین ہر بہار میں ہم
چھپے ہوئے ہیں دل عندلیب زار میں ہم

یہ کس کی چشم سیہ مست کا خیال آیا
کہ لطفِ نشہ اٹھانے لگے خمار میں ہم

جہاں سے جلوہ نما ہی خیال آمدِ یار
چلے گئے ہیں وہیں آج انتظار میں ہم
وحید یار کے آنے کی بھی خبر نہ ہوئی
یہ جان و دل سے تھے مصروف انتظار میں ہم

غضب ہی ہونے لگا شورِ حشر بالیں پر
بدلنے پائے نہ کروٹ تلک مزار میں ہم

جو اڑ چلے صفت بو ہوائے یار میں ہم
قدم زمیں پہ نہ رکھیں گے اس بہار میں ہم
گئے یہ جان سے اپنی وصالِ یار میں ہم
کہ مثل قافلہ یوں لٹے بہار میں ہم
اڑائیں پرزے نہ کس طرح پیرہن کے وحید
جو دیکھیں چاک گریباں گل بہار میں ہم

بلائے جان ہوئی خاطر کو یادِ مے نوشی
جو ہوشیار ہوئے عالم خمار میں ہم
وحید نشۂ الفت رہے ترقی پر
خدا کرے کبھی اس کے نہ ہوں خمار میں ہم

شگفتہ ہوتے ہیں مانند لالہ شاداب
تصورِ رخ رنگیں سے لالہ زار میں ہم
ہمارے داغوں کی سوزش کا یہ نہ تھا احوال
کسی کے ساتھ جب آئے تھے لالہ زار میں ہم

نہ ہوتے گم کبھی اتنا تلاش یار میں ہم
ٹھہرتے کچھ بھی اگر اپنے اعتبار میں ہم
سمجھ سے جس کی ہی عاجز قیاسِ ارض و سما
کچھ ایسی مصلحت حق ہیں اعتبار میں ہم

حضورِ فکر سے کیوں دفعتاً ہوئے غائب — نہ تھے جو سرعت اندیشہ اعتبار میں ہم

فنا کے بعد بھی ہیں جستجوئے یار میں ہم — برنگ خاک نہیں کون سے غبار میں ہم
جو وجدِ عشق کا بعد فنا خیال آیا — ہوا کی طرح سے رقصاں ہوئے غبار میں ہم
حجاب چشم خلائق اُٹھے تو ظاہر ہوں — چھپے ہیں بہ صفت پردۂ غبار میں ہم
ہزاروں پردوں میں روشن ہیں مثل جلوۂ مہر — نہ چھپ سکیں گے کبھی پردۂ غبار میں ہم

اٹھا کے آنکھ کسے دیکھیں روزگار میں ہم — خیالِ مرگ سے ہر دم ہیں احتضار میں ہم

وہ دل ہیں ہم کہ جو باہر ہو اپنے قابو سے — وہ طبع ہیں کہ نہیں اپنے اختیار میں ہم
کچھ آج سے نہیں مجبور عشق کے ہاتھوں — ازل کے دن سے کسی کے ہیں اختیار میں ہم
زباں پہ جبرِ محبت کا تو نہیں شکوہ — کسی کو کیا جو نہیں اپنے اختیار میں ہم

سوائے ناوک قاتل نہ جس کا کچھ ہو علاج — وہ درد ہیں دلِ خوں گشتۂ شکار میں ہم

وہ محوِ جلوۂ خوبی ہیں روزگار میں ہم — کہ مثل نور چمکتے ہیں روئے یار میں ہم
نہیں ہے دیدۂ ظاہر کو تابِ نظارہ — صفائے جلوۂ باطن ہیں روئے یار میں ہم

جب اپنا حال دکھاتے تھے اضطرار میں ہم — سما گئے تھے نظر ہو کے چشم یار میں ہم
تصور اس کا جو کرتے ہیں ہر دیار میں ہم — خیال ہو کے پہنچتے ہیں چشم یار میں ہم

لے گیا دل تو ادا سے وہ صنم
جان اب لے گا حیا سے وہ صنم

اور ہی قتل نہ کرنے کا سبب
ڈرنے والا ہی خدا سے وہ صنم

یہی نہ سمجھو فقط اک خطاب میں ہم تم
کوئی تو بات ہی جس کے جواب میں ہم تم

ابھی تو صورت موج و حباب ہیں ہم تم
جب اس سے گزرے وہی ایک آب ہیں ہم تم

جو دو ملے کہیں آفت زدے تو کہتے ہیں
زمانہ بھر ہی مزے میں خراب ہیں ہم تم

نہ پوچھے جائیں گے اگر حسن و عشق کے جھگڑے
تو سب سے حشر کے دن بے حساب ہیں ہم تم

کرتا بیاں جنوں کا جو افسانہ کوئی دم
آتا نہ اور ہوش میں دیوانہ کوئی دم

سُن سُن کے اب تو آتے ہیں زاہد بھی وجد میں
کر اُٹھتے ہیں جو نعرۂ مستانہ کوئی دم

دل میں جو لطفِ شوق تھا آگے وہ اب کہاں
آباد ہو گیا تھا یہ ویرانہ کوئی دم

اس کے بھی لطف بزم جہاں میں ہیں یادگار
ہر چند ہی یہ صحبت رندانہ کوئی دم

کیا آمدِ بہار کا مژدہ کہیں سُنا
اس وقت کھل کے رہ گئے کیوں سب جگر کے زخم

جس کام میں ہم تھے ای غم یار
تیرا بھی رہا شمول ہر دم

دو دن کی بہار پر چمن میں
ای موسم گل نہ پھول ہر دم

آتے جو نہ یاد گیسوئے یار
ہوتی شب غم نہ طول ہر دم

کیا لطف ہی داغ ہائے دل کا
تازہ ہی رہیں یہ پھول ہر دم

کیا اس کو زمانہ داغ دے گا
جو خار کو سمجھے پھول ہر دم

منہ ہم تو وفا کا دیکھتے ہیں
کیا یوں ہی جفا قبول ہر دم

کیا لُطف ہو اَیسے فصلِ گُل میں ساقی جو پلائے پھول ہر دم

جو بات ہے اس کی نگہِ ہوش رُبا میں وہ خود نگہِ ہوش رُبا کو نہیں معلوم

کب قتل ہوئے ہم اس کی ادا کو نہیں معلوم کیا موت ہوئی ہے کہ قضا کو نہیں معلوم
رہتی ہے اسی کوچہ میں آتی ہے وہیں سے کیوں کر خبر یار صبا کو نہیں معلوم
قدرت کا جب آنکھوں میں سمایا ہوا ہے رنگ کیا بات ہے جو اہلِ صفا کو نہیں معلوم

اگر آئے گا اے جنوں موسمِ گل تو خود دیکھنا رنگ لاتے ہیں یوں ہم

کہا تم سے کیا جانے کیوں حالِ الفت یہ باتیں کسی کو سُناتے ہیں یوں ہم
تبسم ہی کے ساتھ ہے لطف اس کا ذرا پھر کہو مُسکراتے ہیں یوں ہم
ضرور ان کا پھر کچھ تصور ہے اے دل تجھے کل سے بے چین پاتے ہیں یوں ہم
انھیں یاد کر لیتے ہیں، اپنے دل میں یہ اُجڑا ہوا گھر بساتے ہیں یوں ہم
نہیں جز غبار اور کچھ بھی نظر میں پس قافلہ خاک اُڑاتے ہیں یوں ہم
یہاں لے کے آئے تھے کیا کیا امیدیں وحید اب تہِ خاک جاتے ہیں یوں ہم

وحید آپ کے شعر جس رنگ کے ہیں وہ پاتے ہیں باتیں طبیعت میں بھی ہم

جہاں تھے تصورِ الفت میں بھی ہم وہیں ہیں ابھی تک تو وحشت میں بھی ہم
تمنائے دل کی ہیں شکلیں ہزاروں دکھاتے ہیں اک رنگ حسرت میں بھی ہم

بھر تو لیں شیشہ سے پیمانے کو ہم
دیکھیں گے بھر خم کو مے خانے کو ہم

دل میں کیا سمجھے تھے مے خانے کو ہم
اتنا ترسے ایک پیمانے کو ہم

دیکھتے ہیں کچھ تو پیمانے کو ہم
کہتے ہیں یوں خلد مے خانے کو ہم

سمجھے جو کچھ سمجھے پیمانے کو ہم
اب کبھی چھوڑیں گے مے خانے کو ہم

دیکھ لیں جی بھر کے پیمانے کو ہم
چھوڑتے ہیں اب تو مے خانے کو ہم

کیا کہیں اب دل سے دیوانے کو ہم
دیکھو بھر جاتے ہیں ویرانے کو ہم

خاک عاشق سمجھیں پروانے کو ہم
اب دکھائیں ان کے دیوانے کو ہم

کس طرف ہے بزم میں ساقی کی آنکھ
دیکھتے رہتے ہیں پیمانے کو ہم

رنگِ مے سے کیا رہا شب کو سرور
پی گئے آنکھوں سے پیمانے کو ہم

نشۂ وحدت کا اللہ رے عروج
عرش پر پاتے تھے مے خانے کو ہم

راہِ مسجد میں بھی ہے یہ شوقِ مے
دیکھتے جاتے ہیں مے خانے کو ہم

کیا کہیں ساقی اگر ہو اپنا بس
رکھ لیں دل میں تیرے پیمانے کو ہم

آئے ہیں جب خود ہی کھو جانے کو ہم
پا چکے اب دل سے دیوانے کو ہم

کیا کہیں اس پانْو پھیلانے کو ہم
کیا یہاں آئے تھے سو جانے کو ہم

رہ گئے ہیں اس زمانے میں فقط
حوصلہ کی طرح مٹ جانے کو ہم

ردیف (ن)

ان کا بھی کوئی گلہ تسکیں نہیں ہے یاد
کیا منتشر فراق میں اپنے حواس ہیں
اپنی سمجھ میں بھی نہیں آتا جو حالِ دل
اب کیا بتائیں آپ سے ہم کیوں اداس ہیں

کیا پوچھتے ہیں آپ ابھی قصۂ سفر
اس وقت بات کرنے کے کس میں حواس ہیں
محوِ امید سر سے قدم تک ہیں اس قدر
اب ہم خود اپنے ٹوٹے ہوئے دل کی آس ہیں

دکھلا رہے ہو لطفِ بہار و خزاں تمھیں
گل ہو تمھیں چمن ہو تمھیں باغباں تمھیں
آنکھوں میں مثلِ رنگِ چمن ہو عیاں تمھیں
دل میں ہو بوئے گل کی طرح سے نہاں تمھیں
کیسا حجاب کہتے ہیں دنیا میں کس کو حسن
در پردہ لے رہے ہو مرا امتحاں تمھیں
جس سے تمھارے نام کو سنتے ہیں ہر گھڑی
گویا ہوا اُس دہن میں بہ رنگِ زباں تمھیں
دیر و حرم بھرے ہیں تمھارے ہی ذکر سے
دونوں جگہ ہو باعثِ شور و فغاں تمھیں
دریائے غم میں ڈوبنے دو گے کسی کو کب
ہو ناخدائے کشتیٔ بے بادباں تمھیں
کس سے کہوں تمھارے سوا اپنے دل کی بات
میرے تو ہو انیس تمھیں رازداں تمھیں
ہم جانتے ہیں صفحۂ ہستی سے رات دن
ہر ایک کا مٹاتے ہو نام و نشاں تمھیں
اب جسم و جاں کو بھی نہیں پہچانتا وحید
رہتے ہو اس کے جسم میں مانندِ جاں تمھیں

دیکھوں گا میں اٹھا کے نظر کس کو ہر گھڑی
آنکھوں سے عمر بھر جو رہو گے نہاں تمھیں
معلوم ہو گیا یہ تلوّن سے طبع کے
اک آن میں بدلتے ہو رنگِ جہاں تمھیں

خواہاں جاں وہ ہوں تو امانت ہی اور کی — دل ہی اگر پسند تو انکار کچھ نہیں
بھرتے ہیں ٹھنڈی سانس وہ ہر ایک بات پر — پوچھو اگر تو کہتے ہیں ہر بار کچھ نہیں
کانوں میں اپنے آتے ہیں پیغام موت کے — ای دوست زندگی کے اب آثار کچھ نہیں
آنکھیں وہ اور ہیں نظر آتا ہی سب جنھیں — یہ آنکھ بہرِ جلوہ دیدار کچھ نہیں

ہم کوچۂ دلدار میں آئیں کہ نہ آئیں — بلبل تو ہیں گلزار میں آئیں کہ نہ آئیں
خالی نہیں انکار کے پہلو سے کوئی بات — اب ہم ترے اقرار میں آئیں کہ نہ آئیں

جُرا کے دل کو وہ فرماتے ہیں کہ خیر تو ہی — حضور میری طرف بار بار دیکھتے ہیں

یہ کس نے جنبشِ ابرو سے کارِ تیغ لیا — کہ ایک خلق کو سینہ فگار دیکھتے ہیں
کوئی نہیں خلشِ روزگار سے خالی — غضب ہی گل کے بھی پہلو میں خار دیکھتے ہیں
چمن کی سیر مبارک ہو تجھ کو ای بلبل — ہم اپنے دشتِ جنوں کی بہار دیکھتے ہیں
انھیں چھپے ہوئے نظروں سے اک زمانہ ہوا — ہم ایک عمر ہوئی انتظار دیکھتے ہیں

لہریں اٹھیں دشت پیمائی کی کیا کیا پانوں میں — موجزن ہی جوششِ وحشت کے دریا پانوں میں
شوق میں کیسے اُڑے جاتے ہیں کوئے یار کو — ہو گئے شاید پرِ پرواز پیدا پانوں میں

دیکھتا ہی جو نہیں نرگسِ شہلا کی طرف — کون سی چشمِ فسوں ساز کا بیمار ہوں میں
پھر گئے شیخ و برہمن تری خاطر ای دوست — اور تو کیا ہی محبت کا گنہگار ہوں میں
لبِ ساحل ہوں میں لیکن کبھی ہوتا نہیں تر — عینِ دریا ہوں مگر تشنۂ دیدار ہوں میں

بگاہیں کارخانے پر خدائی کے جو پڑتی ہیں
ہزاروں صورتیں اک دم میں بنتی ہیں بگڑتی ہیں

جو دیکھا کشتگانِ عشق کو اہلِ جہاں تم نے
یہی لاشیں وہ ہیں جو کوچۂ جاناں میں گڑتی ہیں

وحید آئی ہی فصلِ گل نہ پوچھو حال مستوں کا
جنوں کا جوش ہی پھر بیڑیاں پیروں میں پڑتی ہیں

کل بساطِ عشرت پر ہم بغل تھے اُس بت سے
آج بسترِ غم پر کروٹیں بدلتے ہیں

واقعی ہی بیداری یا ہی خواب کا عالم
دیکھ کر ترا جلوہ اپنی آنکھ ملتے ہیں

دل کا اور داغوں کا کیا نشاں بتائیں ہم
دیکھ لو یہ بستی ہی وہ چراغ جلتے ہیں

مجھ کو اندازِ تبسم سے یہ ہوتا ہی عیاں
آپ اس وقت میں کچھ منہ سے کہا چاہتے ہیں

منع کرنے پہ تو کرتے ہیں مجھے تم نہ ہنسو
اس سے مجبور ہیں جو خود بھی ہنسا چاہتے ہیں

بھیجے جاتے ہیں کوئی لحظہ میں کیوں گھبرائیں
اب تو ہم قافلہ والوں سے ملا چاہتے ہیں

کوئی دم کے لیے اے درد زباں دے اپنی
ہم بھی حالِ دلِ بے تاب کہا چاہتے ہیں

چمن کی سیر ہی منظور جن کو در پردہ
وہ کب کہیں گے کہ رنگِ بہار میں ہم ہیں

خیالِ یار یہ کہتا ہی مجھ سے ہر ساعت
برنگِ روح ترے جسمِ زار میں ہم ہیں

ہر ایک شخص کی آنکھوں میں جو کھٹکتا ہو
وہ خار اس چمنِ روزگار میں ہم ہیں

کیا دل کی خرابی پہ ہیں اب دُوں جہاں میں
اس طرح کے گھر سینکڑوں برباد ہوئے ہیں

پاتا ہوں اسی کا میں نشاں دل میں بھی اپنے
جس نور سے دیر و حرم آباد ہوئے ہیں

اب دیکھیے کیا ہوتی ہی مرنے پہ اذیت
٭دُنیا میں تو ہم رہ کے بہت شاد ہوئے ہیں

ن: پانو

نہ پوچھو ہم نوایانِ قفس کا حال کچھ مجھ سے
خبر آنے کی فصلِ گل کی سُن سُن کر تڑپتے ہیں
بنایا ہے تڑپنے ہی کی خاطر ہم کو خالق نے
اسی باعث سے ہر دم ای دل مضطر تڑپتے ہیں

جہاں میں جن کے دل پر ہجر کا گزرا ہے کچھ صدمہ
وہ اکثر اس غزل کے شعر سُن سُن کر تڑپتے ہیں
عجب احوال فصلِ گل میں مرغانِ قفس کا ہے
تڑپنے پر جو آجاتے ہیں دن دن بھر تڑپتے ہیں

جو دل کے آئینے سے صورت آشنا ہوں میں
ازل سے محوِ رُخِ یارِ خود نما ہوں میں

نہیں ہے دل پہ مرا اختیار ای ناصح
کسی کے ہاتھ سے مجبور ہو گیا ہوں میں
صدا جو آئی ہے بلبل کی داد دینے کو
وحیدؔ سوئے چمن پھر غزل سرا ہوں میں

جب اُس کی آنکھ سے گرنے کی شرم آئی ہے
زمیں میں اشک کی صورت سما گیا ہوں میں
کوئی گھڑی میں نہ ہوگا مرا نشان کہیں
جہاں میں وقت کی مانند آگیا ہوں میں
بشکل کے صورتِ نالہ دکھاؤں گا تاثیر
ابھی تو پردۂ دل میں چھپا ہوا ہوں میں
چراغ بھی ہوں تو وہ ہوں کہ بے فروغی سے
ہوا کے چلنے سے پہلے ہی بجھ گیا ہوں میں

وہ آرزو ہوں کہ آتی نہیں کبھی لب پر
کبھی جو دل سے نہ نکلے وہ مدعا ہوں میں
وہ نالہ ہوں جو دکھاتا نہ ہو کبھی تاثیر
اثر کبھی جو نہ کرتی ہو وہ دعا ہوں میں
وہ خاک ہوں جو تری راہ سے نہ ہو باہر
جو تیرے زیر قدم ہو وہ نقش پا ہوں میں
نہ ہو کسی کی خبر جس کو ہوں وہ بیگانہ
جو تم سے خوب ہو واقف وہ آشنا ہوں میں
وہ جام ہوں کہ نہ بالب شرابِ عشق سے ہوں
وہ شیشہ ہوں کہ مئے شوق سے بھرا ہوں میں

عشاق نے بارِ غمِ فرقت تو اٹھایا | اب کون سا صدمہ یہ اٹھانے کے لیے ہیں
ساقی کی جو فرقت میں نظر آتے ہیں ہم کو | سامان وہ سب ہوش اڑانے کے لیے ہیں
ہوتا ہے وحیدؔ اپنے غمِ دل سے یہ معلوم | ہم رنج ہی دنیا میں اٹھانے کے لیے ہیں

کچھ تیری محبت ہی پہ موقوف نہیں ہے | جو راز کی باتیں ہیں چھپانے کے لیے ہیں

وہ دن کہیں دکھائے خدا تیرے ہجر میں | موت آئے اور دوڑ کے ہم ہمکنار ہوں
ہے حسن کا اشارہ کہ دیکھو مجھے مدام | ایماں یہ ہے جہان کا ناپائدار ہوں

مجھ کو کسی کے جبر نے مجبور کر دیا | میں اپنے اختیار سے بے اختیار ہوں

وہ دل ہوں میں کہ غیر کی جس میں جگہ نہیں | وہ چشم ہوں کہ وقفِ رہِ انتظار ہوں
وہ جام ہوں کہ طالبِ جاناں ہے دست رس | وہ شیشہ ہوں کہ رونقِ دستِ نگار ہوں
بے خود ہوں وہ کہ جس کو پتا نہیں ہے ہوش | حیراں وہ ہوں کہ محوِ سراپائے یار ہوں
نکہت وہ ہوں کہ جس سے ہے تزئینِ بوئے گل | وہ رنگ ہوں کہ زینتِ رنگِ بہار ہوں
وہ رنگ تازہ ہوں کہ ہوں جانِ شگفتگی | وہ لطف ہوں کہ روحِ نسیمِ بہار ہوں
ہنستا وہ ہوں کہ کہتے ہیں بے ساختہ جسے | روتا وہ ہوں کہ گریۂ بے اختیار ہوں

کہیں شکلِ خوں چشمِ گریاں میں ہم ہیں | کہیں صورتِ اشک داماں میں ہم ہیں
کہیں جوشِ طوفاں ہیں کشتی کے حق میں | کہیں مثلِ کشتی کے طوفاں میں ہم ہیں
کہیں جلوہ گر ہیں برنگِ گلِ تر | کہیں مثلِ بلبل گلستاں میں ہم ہیں

کہیں لفظ بے ساختہ ہیں غزل میں — کہیں شعر برجستہ دیواں میں ہم ہیں
کہیں گیسوئے کفر میں ہم ہیں ظلمت — کہیں نور رخسارِ ایماں میں ہم ہیں
کہیں سمت شش جہت میں ہیں باہر جہت سے — کہیں چار اضداد انساں میں ہم ہیں

دل سے کوئی دم خیال یار جاتا ہی نہیں — اشتیاق جلوہ دیدار جاتا ہی نہیں
زخم دل پر آفریں ای جنبش ابروئے یار — اب تو خالی کوئی تیرا وار جاتا ہی نہیں
مرنے پر بھی عشق نے پیچھا نہ چھوڑا اعشق کا — لوگ سچ کہتے تھے یہ آزار جاتا ہی نہیں

پروانہ اپنے دل کا جو روشن کرے چراغ — جائے نہ اس طرح کبھی اُڑ کر چراغ میں
کہتے ہیں اس کو عشق کہ پروانے رات کو — خود شکل نور ہوتے ہیں جل کر چراغ میں

وہاں بھی دل نہ سنبھالا گیا چلے آئے — گئے تھے دوڑ کے بے اختیار صحرا میں

خزاں نصیب بنا کر جو گھر سے لایا ہی — اسی کی دیکھ رہے ہیں بہار صحرا میں
ہر ایک سمت نظر آ گئی وہی صورت — ہوئی جو حسرت دیدار صحرا میں
غضب ہی چھوڑ کے جس روز سے سواد وطن — ق — خراب پھرتا ہی یہ دل فگار صحرا میں
گھٹائیں کہتی ہیں رونے کو ہم نہیں موجود — یہ آب بھرتے ہیں کیوں اشکبار صحرا میں
ہوائیں کہتی ہیں ہوتے ہیں ہم پریشاں اور — جو دیکھتے ہیں ترا انتشار صحرا میں
یہ خاک دشت کا ایماں ہی تیرے باعث سے — مجھے کہیں نہیں دم بھر قرار صحرا میں
نصیب کہتا ہی تجھ کو نہ دوں گا چین کہیں — سناؤں گا یوں ہی لیل و نہار صحرا میں
یہ سب کی سن کے زباں سے میں کچھ نہیں کہتا — کرے تو آیا ہی پروردگار صحرا میں

وحید ہوتا ہی رونے سے اور کیا حاصل — نکال لیتے ہیں دل کا غبار صحرا ہیں

وہ مجنوں ہوں کہ اکثر اشتیاق دید لیلیٰ میں — حجاب اشک ہو کر پردۂ محمل میں جاتا ہوں

بتوں کا آستاں جب وقت آسانی نہیں چھٹتا — خدا کے سامنے رونے کو کیوں مشکل میں جاتا ہوں

دل کو روندے ہوئے پاؤں کے تلے جاتے ہیں — اُن سے کہہ دو کوئی آگے جو چلے جاتے ہیں
زندگی ہم کو جو مہماں نہیں رکھ سکتی — کوئی دم میں اجل آتی ہے چلے جاتے ہیں

ساقی ہو جس قدر تجھے منظور دے شراب — اب ہم تو کچھ زیادہ و کم جانتے نہیں
آئی ہے کس کی زلف مسلسل کی آج یاد — سینے میں کیوں الجھتا ہے دم جانتے نہیں
جھیلی ہے جب سے ہم نے مصیبت فراق کی — دنیا کی مشکلوں کو اہم جانتے ہیں

میں کب سے پوچھ رہا ہوں شراب ہے کہ نہیں — کچھ اس سوال کا ساقی جواب ہے کہ نہیں
یہ چوٹ جس کے نہ دل پر لگی ہو کیا جانے — فراقِ یار میں جینا عذاب ہے کہ نہیں
جو حال دل ہے وہ چہرے سے کیا نہیں ظاہر — تمہیں بتاؤ مجھے اضطراب ہے کہ نہیں
جو عذر بادہ کشی کے ہے وقت کا ساقی — یہ آسماں پہ کیا ہے سحاب ہے کہ نہیں
نقاب رُخ سے نہ اُلٹو ابھی یہ دیکھ تو لو — نظر کو[ن] دیکھنے والوں کی تاب ہے کہ نہیں

خیال ہجر ہے ایسا کہ وصل میں بھی وحید — یہ مل کے آنکھوں کو کہتا ہوں یار ہے کہ نہیں

ن۔ نظر سے دیکھنے والوں کو تاب ہے کہ نہیں۔

نازو ادا سے پہلے لے جا چکیں نگاہیں
اب ڈھونڈتے ہو کس کو دل ہی کہاں بغل میں
کیا جانے بے تمہارے کیسا تھا دل پہ صدمہ
پھوڑے کی سی تپک تھی شب بھر یہاں بغل میں

خط اُس شوخ کا دیکھیے آ گیا
ابھی دل میں آئی تھی یادِ وطن
نہ تھی عزمِ غربت سے پہلے خبر
کہ رُلوائے گی خون یادِ وطن

کچھ اس کا مزہ جانتا ہے دل ہی ہمارا
لاتی ہیں ترے دل کا جو پیغام نگاہیں
دکھلائیں گی کیا حشر کے دن جلوۂ دیدار
جب زیست میں آئیں نہ مرے کام نگاہیں

ملا ہے صبح کا آئینہ اس کو ترے جلوے سے
رہے گی حشر تک خورشید کی تنویر حیرت میں
وحید اک عمر سے مجھ کو نظر آتے ہو تم ایسے
کوئی رہتا ہو جیسے رات دن دل گیر حیرت میں

وصال جس کا تھا ہر دم جدا وہ ہوتے ہیں
یہی معاملے دنیا میں جان کھوتے ہیں
نظر جو آتا ہے بھر گھر میں جلوۂ دلدار
الٰہی جاگتے ہیں آج ہم کہ سوتے ہیں
خود آ کے پونچھے جو دامن سے اشک تو کیا
پلک پہ نام کو آنسو نہیں ہیں روتے ہیں
دل اُن کو دیتے تھے جب ہم نہ سمجھے یہ بھی
یہ اپنے ہاتھ سے کیا چیز مفت کھوتے ہیں
اب ان بتوں سے قیامت کے دن سمجھ لیں گے
اجل کی نیند ابھی آ گئی ہے سوتے ہیں

سامان فصلِ گل میں ہے رندوں کی موت کا
یہ انتظار ساقیِ سرشار کا نہیں
اک دن اسی کے دم سے جنوں کی تھیں شورشیں
پہلو میں اب نشاں بھی دلِ زار کا نہیں
کیوں سو رہے ہیں چین سے آسودگانِ خاک
وعدہ جو روزِ حشر پہ دیدار کا نہیں

یوں کوئی اپنا آپ سے بن جائے خود حجاب ۔۔۔ پردہ کسی سے جلوۂ دیدار کا نہیں
یہ خود شراب کے جو نہ خواہاں ہوں تو نہ ہوں ۔۔۔ ساقی کو دھیان کون سے مے خوار کا نہیں

ہے اسی کے نور کی دیر و حرم میں روشنی ۔۔۔ داغ دل مثل چراغ اپنا کہاں جلتا نہیں
اس پری رو نے جو آنے کو کہا ہے وقت شب ۔۔۔ اپنی جا سے آج سایہ دیکھیے ٹلتا نہیں
ہم نے دیکھا ہے جو روز وصل سامانِ نشاط ۔۔۔ وہ تصور سامنے سے آج تک ٹلتا نہیں

مرغان باغ کس لیے گھبرائے جاتے ہیں ۔۔۔ اب دیکھیے بہار کے دن آئے جاتے ہیں
کس طرح بر ملا میں کہوں رازِ عشق یار ۔۔۔ یہ تذکرے زباں پہ کہیں لائے جاتے ہیں
وقت خزاں کہاں ہے وہ دل کی شگفتگی ۔۔۔ اب پھول اس چمن کے بھی کمھلائے جاتے ہیں

نہ تھا جب تک خیالِ چشم جاناں کچھ نہ دیکھا تھا ۔۔۔ اب اپنے دل کی وحشت دیدۂ آہو میں پاتا ہوں
ہوا ہے پانی پانی اس قدر دل جوشش غم میں ۔۔۔ خیال یار کی تصویر ہر آنسو میں پاتا ہوں
قفس سے الفت صیاد اڑنے ہی نہیں دیتی ۔۔۔ اگرچہ طاقتِ پرواز بھی بازو میں پاتا ہوں
نہیں ہے اور تو دل کی خبر کچھ تیری فرقت میں ۔۔۔ مگر پھوڑا سا اک دکھتا ہوا پہلو میں پاتا ہوں

میں جس کی جستجو میں سونگھتا ہوں ایک گل لے کر ۔۔۔ اسی کی نکہت جاں بخش ہر خوشبو میں پاتا ہوں

ہم اُن کے لیے اک مدت سے بے صبر بھی ہیں بے تاب بھی ہیں
کیا پوچھتے ہو افسانۂ غم بے چین بھی ہیں بے خواب بھی ہیں

یہاں جلوہ ہے سب اپنے ہی دم کا — یہ عالم جسم ہے تو دل ہمیں ہیں
ہمیں سے ہے یہ روشن خانۂ چشم — تجلی بخشِ آب و گل ہمیں ہیں
پہنچنا آپ ہی تک ہے جو منظور — کہیں جائیں مگر منزل ہمیں ہیں
نہیں کوئی حجاب روئے لیلیٰ — بہ شکل پردۂ محمل ہمیں ہیں
یہ محو روئے لیلیٰ ہو کے سمجھے — درون پردۂ محمل ہمیں ہیں

ہمارے دل کا خریدار کوئی کیا ہوگا — یہ جنس ہے کسی جادو نظر کے حصے میں
ہم اس تلاش میں اک عمر سے ہیں خاک بسر — کہ خاکِ جسم ہے کس رہگزر کے حصے میں
وحید داغ محبت کہاں دم پیری — یہ آفتاب نہیں اس سحر کے حصے میں

سنا ہے باغ میں پھر آئے ہیں بہار کے دن — قفس سے اب بھی رہائی نہ ہو تو لطف نہیں
اسی سے کچھ خلشِ خارِ دشت کا ہے مزہ — یہ اپنی آبلہ پائی نہ ہو تو لطف نہیں
یہی تو بات ہے دیکھیں وہ دل میں عکسِ جمال — نگاہ جانب آئینہ ہو تو لطف نہیں
وحید شعر و سخن کا مزہ اسی سے ہے — بیان وصل و جدائی نہ ہو تو لطف نہیں

خالق ہی اس صنم کی جدائی میں صبر دے — کچھ سوجھتی نہیں ہے کدھر جائیں کیا کریں
کرنا نہ تھا جو کچھ وہ محبت میں کر چکے — اب اپنی جان ہی سے گزر جائیں کیا کریں

اس میکدے میں کتنے سبو پا کے مست ہیں — کتنے فقط شراب کی بو پا کے مست ہیں
صحرا کے خارِ خشک زمانے میں ہیں نہال — گلشن کے نخل حسن نمو پا کے مست ہیں
جب زخم تھا تو اس سے بھی تھا روح کو سرور — اب چاک دل پہ اپنے رفو پا کے مست ہیں

گلزارِ قدس میں نہیں مثل اس کا اے وحید
جس گل کے ہم پسینے کی بو پا کے مست ہیں

چمن سے جائیں گے پھر خاک اُڑائے صحرا میں
ذرا بہار کا رنگ اب کے سال دیکھ تو لیں
کہیں اسی میں نہ ہوں معنیٔ یقیں پنہاں
مٹا کے حضرتِ وہم و خیال دیکھ تو لیں
پتہ لگا کے پہنچ جائیں گے کبھی نہ کبھی
مکانِ دل سے ترا اتصال دیکھ تو لیں
ابھی سے کیوں ہوں پریشاں بہ نکہتِ یار
صبا نہ آتی ہو سوئے شمال دیکھ تو لیں

آنسو بھر آتے ہیں جو کبھی پوچھتا ہوں میں
کہیے تو آہ نکلی ہے یہ دل سے یا نہیں
تم کو یقین ہی نہیں یا میرے عشق کا
جو کچھ زباں سے کہتے ہو وہ دل سے یا نہیں
حیرت زدہ سا ہوں میں انھیں کو یہ دیکھ کر
گزرے ابھی وہ میرے مقابل سے یا نہیں

اچھا ہے تصور رہے جو رہے لطف کا اُن کے
یاد اُس کی نہ ہو گی تو رُلائے گا مجھے کون
کچھ روز دوں کا یہ لطف بھی ہے یاد کے قابل
تم جاتے ہو اب ہنس کے رُلائے گا مجھے کون

رنگیں بھی ہو جو پھول لطافت میں وہ کہاں
جو رُخ میں تازگی ہے حقیقت میں وہ کہاں
باتیں جو کچھ تھیں اگلی محبت میں وہ کہاں
کچھ حوصلہ بھی ہو جو طبیعت میں وہ کہاں
کہسار و دشت کیوں ہیں خطرناک اے جنوں
آگے جو دل کا حال تھا وحشت میں وہ کہاں
الفت جو اگلی رہ گئی ہے دل میں نام کو
یاد اس کی اتنے روز کی مدت میں وہ کہاں
جلوے کے دیکھنے کی جو آتی بھی کچھ ہے یاد
کھلتا نہیں سلے تھے حقیقت میں وہ کہاں

کچھ دنوں تک اُن کی بھی تھی اک ہوا
اب وہ سب آہوں کی تاثیریں گئیں

ای جنوں لطفِ اسیری اب کہاں ساتھ دیوانوں کے زنجیریں گئیں
سچ تو یہ ہی اُٹھ گئے جو اہلِ درد وہ کلاموں کی بھی تاثیریں گئیں

کیا الفتِ گل کا قصہ ہی اس نے تو مجھے بے چین کیا
کیا یاد تجھے یہ نالۂ غم ای بلبلِ گلزار اور بھی ہیں

ترا عارضِ مشک سا بھی ہمیں ہیں تری نکہتِ جانفزا بھی ہمیں ہیں
یہ دل بھی ہمیں دلربا بھی ہمیں ہیں نگہ بھی ہمیں ہیں ادا بھی ہمیں ہیں
ہوا خواہ ہیں جس کی خوشبو کے ہر دم وہ گل بھی ہمیں ہیں صبا بھی ہمیں ہیں
ہمیں بادہ و جام و ساقی و مے کش ہوا بھی ہمیں ہیں گھٹا بھی ہمیں ہیں
جو ہی مظہرِ رندی و پارسائی وہ رند اور وہ پارسائی ہمیں ہیں
بیاں کرتے پھرتے ہیں جو اپنے آگے وہ مطلب ہمیں مدعا بھی ہمیں ہیں
طلب میں جو کامل ہوئے تو یہ سمجھے کہ رہرو بھی ہیں رہنما بھی ہمیں ہیں
یہ چشمِ حقیقت سے ہوتا ہی روشن کہ بت بھی ہمیں ہیں خدا بھی ہمیں ہیں
ہمیں دیکھتے ہیں وحید اپنا جلوہ خود آرا بھی ہیں خودنما بھی ہمیں ہیں

خدا بچائے جدائی کے شعلۂ غم سے یہ آگ رکھتی ہی سوزِ جحیم سنتے ہیں

وہ مے پلائے کا جس دم ارادہ کرتے ہیں نگاہِ مست سے مشتاق بادہ کرتے ہیں
جب اپنے منہ سے میں اقرارِ جرم کرتا ہوں اب آپ کس لیے اُس کا اعادہ کرتے ہیں
عجیب ظرف کے وہ لوگ ہیں زمانے میں جو حوصلے سے محبت زیادہ کرتے ہیں

جدھر کو دیکھتے ہیں کچھ کمی محبت کی — نگاہِ یاس ادھر ہم زیادہ کرتے ہیں
زباں پہ کرتا ہی پہلے سے کوئی مہرِ سکوت — سوال وصل کا جب ہم ارادہ کرتے ہیں
جفا و ظلم ہو یا اب شکایتیں ہوں وحید — غرض وہ مجھ پہ عنایت زیادہ کرتے ہیں

چھپاتے ہیں وہی کچھ اپنی صورت غوب پردے میں
لباس زندگی جو مرگ میں تبدیل کرتے ہیں

بوئے دل سوزی جو آہِ صبح گاہی میں نہیں — وقت پیری کچھ مزہ یادِ الٰہی میں نہیں
داغ دل کا بھی تھا کیا عہدِ جوانی تک فروغ — اب وہ نورِ شب چراغِ صبح گاہی میں نہیں
پرسشِ اعمال کا تو اس سے آتا ہی خیال — جو گناہوں میں ہی لذت بے گناہی میں نہیں
آنکھ ہو تو نورِ ظلمت ہی میں آتا ہی نظر — روشنی کو دیکھ تیلی کی سیاہی میں نہیں
یار کی زلفوں کا اے دل سامنا ہونے تو دے — یہ سیاہی شامِ غم کی کچھ سیاہی میں نہیں
آپ سے بیگانہ کر دیتا ہی یہ کوچہ وحید — کس کی حالت دوسری یادِ الٰہی میں نہیں

ویرانے میں ہی دل کے محبت کا کام کیا — یارب بسائی کس نے یہ بستی اجاڑ میں

لے آئے ہیں سر میں کس کی ہوا آئے ہیں کہاں جاتے ہیں کہاں
معلوم نہیں ہم مثلِ صبا آئے ہیں کہاں جاتے ہیں کہاں
کیا حاصل ایسے جینے کا کیا فائدہ ایسے مرنے کا
جب غافلوں پر اے دل نہ کھلا آئے ہیں کہاں جاتے ہیں کہاں

ممکن نہیں یوں احوال کھلے جب تک نہ ہو شامل فضلِ خدا
رہتے تھے کہاں جاتے ہیں کدھر ہم کون ہیں کیوں آئے ہیں یہاں

کس کو ہی جہاں میں اتنی نظر ہم کون ہیں کیوں آئے ہیں یہاں
بتلاؤ تمھیں ای اہل خبر ہم کون ہیں کیوں آئے ہیں یہاں
ہر سمت ہی کیوں حیرت کی نظر ہم کون ہیں کیوں آئے ہیں یہاں
یہ آئینہ خانہ کس کا ہی گھر ہم کون ہیں کیوں آئے ہیں یہاں
اک دم ہُوا یا اک عمر کٹی کیا حال کہیں کیا ذکر کریں
کہہ سکتے ہیں کیا کچھ ہی بھی خبر ہم کون ہیں کیوں آئے ہیں یہاں

پہنچا ہی جو ادھر سے اُدھر آپ میں نہیں
پائی ہی جس نے اُس کی خبر آپ میں نہیں
ای باغباں تو فصل گل آئی ہی باغ میں
جھومیں تو جھومنے دو شجر آپ میں نہیں
اللہ رے شوقِ کوچۂ دلدار ای وحید
جس روز سے ہی عزمِ سفر آپ میں نہیں

فرقت میں ضبطِ گریہ کہاں تک کرے کوئی
اب آنسوؤں سے دیدۂ تر آپ میں نہیں
کہتے ہیں میری سن کے شکایت وہ اور سے
اس کی نہ کہیے عیب و ہنر آپ میں نہیں

اللہ رے نشۂ مئے عرفاں کہ آج تک
روزِ ازل سے اہلِ نظر آپ میں نہیں
ہستی ہو یا عدم نہیں دونوں کا ایک رنگ
جو آپ میں اِدھر ہی اُدھر آپ میں نہیں
مے خانے میں تو حضرت واعظ نہ آئیے
یہ گھر ہی اور کوئی ادھر آپ میں نہیں
فرقت میں کس کی کس کی خبر لیجیے وحید
سنبھلا ہی اب جو دل تو جگر آپ میں نہیں

کہاں کہاں بھری فرقت میں میرے دل کی فکر / نہ بس چلا تو گئی بیٹھ تھک کے پہلو میں
خیال برق نگہ تھا کہ داو تھا دل میں / ابھی تو رہ گیا تھا کچھ چمک کے پہلو میں
خیال آگیا کس گل کی ہم نشینی کا / یہ کس کی رہ گئی خوشبو مہک کے پہلو میں

ہجر میں جو رنج ہونا تھا ہوا / آئی جو کچھ آئی آفت کیا کہوں
باغ و صحرا اب تو ہوں دونوں سے تنگ / کچھ نہ پوچھو ای جوش وحشت کیا کہوں

خود نمائی کی وہ صورت کیا کہوں / پردہ داری کی وہ عادت کیا کہوں
حال دل بھی اُن سے کہہ سکتا نہیں / اپنی مجبوری کی حالت کیا کہوں
خود فراموشی میں بھی وہ یاد ہیں / کس طرح کی ہے یہ غفلت کیا کہوں
ہر زباں پر جب یہی ہے تذکرہ / اب وحید احوالِ الفت کیا کہوں

کیا حال پوچھتے ہیں آپ اپنے بیخودوں کا / باتیں وہی جنوں کی وحشت کے رنگ میں ہیں
کیا خاک قبر منعم پر شب کو تھی وہ رونق / چادر کے پھول اب سب تربت کے رنگ میں ہیں

ضیا و مہر کا جب سامنا تھا / کھلی تھیں نور کی کلیاں کنول میں
یہ دل پر داغ ہے کیسا فروزاں / یہ کس کی روشنی ہے اس کنول میں
وحید اب بھی وہ رو دیتے ہیں سُن کر / عجب تاثیر ہے اپنی غزل میں

یہیں جلوہ تھا کیا ان کا ازل میں • جگہ پائی ہے کیوں دل نے بغل میں
خدا ہی آفتوں میں دل کے گھر کا / یہ بنیاد اور پھر ایسے خلل میں

خدا کی شان یہ ہم اور صحرا ہمیں اک روز تیرے کس کے محل ہیں

دل سے جن کی ہمت عالی ہے صرف عشق یار غم کے بھی ہمراہ ہیں تو کس خوشی کے ساتھ ہیں
ملتے جلتے ہیں برابر مدتوں سے خاک میں حوصلے دنیا میں جتنے مفلسی کے ساتھ ہیں
ان دنوں دل کو کسی سے جو نہیں وابستگی اپنے جتنے کام ہیں سب بیدلی کے ساتھ ہیں

ہم یہ تنہا راہ میں ہیں یا کسی کے ساتھ ہیں کچھ نہیں معلوم ایسی بیخودی کے ساتھ ہیں
جو فروزاں داغ دل ہیں روشنی کے ساتھ ہیں کیسے کیسے چاند اپنی چاندنی کے ساتھ ہیں
آب و گل میں تیرے دیوانوں کے جس کا تھا خمیر اب بھی صحرا میں اسی آوارگی کے ساتھ ہیں
کچھ نہ پوچھو ولولوں کی دل کے ہمراہ شباب یہ جو آگے آگے جاتا ہے اسی کے ساتھ ہیں
دیکھیے کس سمت لے جاتا ہے یہ آغاز شوق راستہ دیکھا نہیں ہے اجنبی کے ساتھ ہیں

نشست اپنی کہیں ہو ان کا جلوہ دیکھ لیتے ہیں
جہاں ہیں راستے میں وادی ایمن کے بیٹھے ہیں
دماغ اب ای صبا کیا ہو گا تازہ نکہت گل سے
یہاں مشتاق ان کی بوئے پیراہن کے بیٹھے ہیں

حسرتیں اپنے جی کی جی سے کہوں ان کے صدموں کو کیا کسی سے کہوں
گر رہے جو دل یہ اپنے جی سے کہوں راز کی بات کیا کسی سے کہوں
تیرے رخ کا ترے دہن کا خیال کون سے پھول کس کلی سے کہوں
رنج فرقت کی کون دے گا داد اس فسانے کو آپ ہی سے کہوں

خانۂ گور ہی بہت تاریک
ساتھ چل دل کی روشنی سے کہوں
غم پنہاں بھی حال گریہ بھی
وہ تبسم سے یہ ہنسی سے کہوں
جو مصیبت میں سب کی سنتا ہے
اب وحید اپنا حال اسی سے کہوں

ہر گھڑی کس کا بیاں کرتا ہے قصہ اے فکر
تجھے معلوم ہے کچھ دل کی یہ کیا باتیں ہیں

رہ جائے وصف رنگ گل کیوں ہم صفیر دو گل
آخر تو آئے گی خزاں تم کچھ کہو میں کچھ کہوں

تر کر چکے جیب آستیں تھمتے ہیں اشک خوں کہیں
ٹھیرا اب ان کا کارواں تم کچھ کہو میں کچھ کہوں

روکے کہتے ہیں میری قبر پہ وہ
کس کی تربت کو دیکھتا ہوں میں
کیا تھا فرقت سے پہلے اب کیا ہوں
اپنی حالت کو دیکھتا ہوں میں
اس طرف جب قدم نہیں اٹھتے
اہل ہمت کو دیکھتا ہوں میں
دوستوں کے بھی دیکھ لوں گا مزار
اپنی عبرت کو دیکھتا ہوں میں
ذرہ آتا ہے آفتاب نظر
جب حقیقت کو دیکھتا ہوں میں
جو مجھے دیکھتا ہے حیرت سے
اس کی صورت کو دیکھتا ہوں میں
اگلے وقتوں میں کیا تھی اب کیا ہے
رسم الفت کو دیکھتا ہوں میں
یہ زمیں اے وحید اور رنگ
اس طبیعت کو دیکھتا ہوں میں

یوں خدا آپ کے بیمار کو اچھا کر دے
حال ہے نوع دگر ہم تو یہی کہتے ہیں
رہنے کے واسطے دو روز جہاں چاہیں رہیں
اپنا صحرا ہے نہ گھر ہم تو یہی کہتے ہیں

نکلے مغرب سے بھی خورشید تو کیا ہوتا ہے
نہیں اس شب کی سحر ہم تو یہی کہتے ہیں

نفع و نقصان محبت پہ کسی کی ہو نظر
فائدہ ہے نہ ضرر ہم تو یہی کہتے ہیں

اپنا وہ نالۂ پر سوز جوانی تک تھا
اب نہ اٹھیں گے شرر ہم تو یہی کہتے ہیں

دل کی رنجش کے ہیں آثار ان آنکھوں سے عیاں
اب نہیں ہے وہ نظر ہم تو یہی کہتے ہیں

خانۂ دل کی ہوا باندھ لیں کچھ دن نالے
ہوگا برباد یہ گھر ہم تو یہی کہتے ہیں

سب کے افسانوں سے بہتر ہے ترا افسانہ
رات دن آٹھ پہر ہم تو یہی کہتے ہیں

دل ہے بے چین ترے قصۂ الفت سے وحید
اس میں ہے اور اثر ہم تو یہی کہتے ہیں

سوز غم اہل عیش کیا جانیں
شمع بزم طرب ہوں کس سے کہوں

کون پرساں ہے درد و غم کا وحید
شکل رنج و تعب ہوں کس سے کہوں

وہ آہ لب پہ نہیں دل میں سوز غم بھی نہیں
تم اور ہو گئے جس روز سے وہ ہم بھی نہیں

یہ کیا سبب ہے کہ اب تک پھرا نہیں قاصد
مکان یار یہاں سے دو قدم بھی نہیں

اب ان کی باتوں سے کیا خوش ہو کوئی کیا ممکن
وفا کی خو بھی نہیں عادت ستم بھی نہیں

جو محو ذات ہوئے بیخودی نے سب کھویا
خدا خدا تو کہاں اب صنم صنم بھی نہیں

وحید کیا ہوئے آنسو تمہاری آنکھوں کے
اب ان پہ شدت گریہ سے وہ ورم بھی نہیں

سرور دل نہیں حاصل تو کیسی محفل عیش
یہی مزہ نہیں تو لطف جام جم میں نہیں

جو خاک اڑانے والے تری رہ گزر کے ہیں
کیا جانے کوئی ان کو وہ کیا ہیں کدھر کے ہیں

کس دن یہاں سے ہوگا سفر کچھ خبر نہیں
مدت سے دل ہی دل میں ارادے ادھر کے ہیں

وہ کہتے ہیں جو دیکھنے والے نظر کے ہیں
ذرے سے تک آفتاب تری خاک در کے ہیں

کیا جلوے ہر مقام پہ شمس و قمر کے ہیں
یا رب یہ دونوں نقش قدم کس بشر کے ہیں

کرتے ہیں فاش آنکھوں میں اشک آکے راز دل
کیا کام کر رہے ہیں یہ بھیدی جو گھر کے ہیں

کیا ان سے وقت نزع کہوں داستان دل
باقی اب ایک دم ہی گلے عمر بھر کے ہیں

جب نالۂ دل آ گئے سینے سے لبوں تک
اب عرش معلّٰی بھی ہلا دیں تو ہلا دیں

میں ان کی گلی سے نہ اٹھا ہوں نہ اٹھوں گا
اب خاک میں وہ مجھ کو ملا دیں تو ملا دیں

گزری ہے وحید ان کی جدائی میں جو ہم پر
یوں تو نہیں باتوں میں سنا دیں تو سنا دیں

وہ خود رخ پرنور دکھا دیں تو دکھا دیں
آنکھوں پہ جو پردہ ہے اٹھا دیں تو اٹھا دیں

روکا تو ہے سینے میں انھیں ضبط سے میں نے
اب نالۂ دل آگ لگا دیں تو لگا دیں

کون اپنے سوا آگ بجھا سکتا ہے غم کی
خود آنسوؤں سے اس کو بجھا دیں تو بجھا دیں

غیروں کی تو آنکھوں میں ہے یا رب میں سبک ہوں
وہ اپنی نگاہوں سے گرا دیں تو گرا دیں

کرتے ہیں وحید آپ عجب رنگ کی تقریر
احوال وہ اپنا نہ بتا دیں تو بتا دیں

جتنے دیوانے بیابانوں میں ہیں
وہ تمھارے ہی پریشانوں میں ہیں

کرتے رہتے ہیں تری زلفوں کا ذکر
رات بھر قصے پریشانوں میں ہیں

پیش آئے جس طرح چاہے فلک
اب تو کچھ دن اس کے مہمانوں میں ہیں

بند رونے میں نہیں ہے میری چشم تر کہیں
یہ وہ چشمہ ہے جب پاتا ہو جاری ہر کہیں

پہلے حاصل تو کرے انسان آزادی کا وصف
ہر جگہ ہی اس کا گھر جس کا نہیں ہے گھر کہیں

فصل گل ہی تک وہ مستوں کی آنکھیں سرخ تھیں
اب کہاں ہوتا ہے وہ دور مئے احمر کہیں

حال جب یہ ہو ٹھہرتا ہی نہیں دم بھر کہیں
کیا تری فرقت میں بہلے گا دل مضطر کہیں

دل بھی ہو بے چین کانوں میں بھی ہو کچھ کچھ صدا
پھر تری رفتار سے برپا نہ ہو محشر کہیں

کچھ کہتی ہیں پلکوں سے نگاہیں
پھر مشورے کچھ ہیں رہزنوں میں

کیا پھول کھلے تھے گلشنوں میں
اک آگ تھی سب کے دامنوں میں

جو داغ ملے تھے گلشنوں میں
اب تک ہیں وہ دل کے دامنوں میں

مستی بھی ہے نیند بھی ادا بھی
کیا کچھ نہیں ان کی چتونوں میں

اب باغوں کی سیر ہے نہ جھولے
کیا باتیں تھیں اگلے ساونوں میں

جن باتوں کو اب میں ڈھونڈھتا ہوں
ہیں دوستوں میں نہ دشمنوں میں

اب دل کے بہلنے کی کوئی شکل
ویرانوں میں ہے نہ مسکنوں میں

جس کو دیکھو وہ نیا کہتا ہے اُن کا حال عشق
میرے افسانے کے دفتر ایک ہے وہ ہیں سینکڑوں

کچھ نہ پوچھو یاس سے ویراں ہیں کس کس کے دل
ان دنوں اجڑے ہوئے گھر ایک دو ہیں سینکڑوں

جلوہ جدھر اس کا ہے مقابل ہوں تو میں ہوں
آئینہ تو ہے ایک طرف دل ہوں تو میں ہوں

مجھ سے ہے پیدا یا میرے ہر داغِ جگر کا
اک عمر کی حسرت کا جو حاصل ہوں تو میں ہوں

جز روئے یار آنکھوں میں کچھ جلوہ گر نہیں
سوتا ہوں میں کہ جاگ رہا ہوں خبر نہیں

محرومیٔ نصیب کی کس کو خبر نہیں
خود نالہ کہہ رہا ہے کہ مجھ میں اثر نہیں

ہم کہہ رہے تھے دل کی ہمیں کو خبر نہیں
دیکھا تو آپ کی بھی نگاہیں ادھر نہیں

بے عاجزی حریم خدا تک گزر نہیں
سر خاک پر نہیں تو قدم عرش پر نہیں

تیری نگاہِ لطف سے تسکیں سی ہو گئی
جیسا تھا پہلے اب تو وہ دردِ جگر نہیں

یارب جہاں میں مجرمِ الفت نہ ہو کوئی
ہر سمت وہ نظر ہے ادھر وہ نظر نہیں

بے فائدہ کو جان کی خاطر بچایا دل
اب جان کا ضرر ہے تو دل کا ضرر نہیں

دل کی لگی ہوئی سے خدا کی پناہ ہے
شعلہ فشاں اس آگ کے کس جا شرر نہیں

وہ دل ربا ہیں سننا بھی نہیں دیکھنا تو کیا
اس کی تو کانوں کان کسی کو خبر نہیں

میں رات سے ہوں منتظر نکہتِ حبیب
دیکھو ابھی اٹھی کہ نسیم سحر نہیں

جس میں جمالِ پاک کا جلوہ ہے سامنے
صبحِ بہشت ہے وہ یہاں کی سحر نہیں

مدت سے کچھ فلک کا بھی بھولے ہیں راستا
نالوں کو کیا ہوا ہے کہ ان میں اثر نہیں

اچھی طرح سے دل ہی میں چھائے نہ چھاؤنی
آخر تو بے کسی کا کوئی اور گھر نہیں

جب ہم حواس میں تھے تو دل کا بھی تھا خیال
اب کس کو ہوش ہے وہ کدھر ہے کدھر نہیں

ہم پر تو جو کچھ گزری گزری غمِ فرقت میں
کیا جانے وہاں تم پر کیا ہو گی محبت میں

ردیف (واو)

آئیے جلوۂ دیدار کے دکھلانے کو
پھونک دے برقِ تجلّی مرے کاشانے کو

نخوتِ حسن پسند آئی ہے دیوانے کو
سرکشی شمع کو منظور ہے پروانے کو

دیکھیے کون سی جا یار کا ملتا ہے پتا
کوئی کعبے کو چلا ہے کوئی بت خانے کو

تیری فرقت میں تصور ہے یہ بے دردی کا
خواب ہم جانتے ہیں نیند کے آجانے کو

بعد میرے جو ہوا دشت میں مجنوں کا گزر — رو دیا دیکھ کے خالی مرے ویرانے کو
کام آجاتی ہی ہم بزمی بھی روشن دل کی — شمع ہم رنگ بنا لیتی ہی پروانے کو
آج پھر شہر کے کوچے نظر آتے ہیں داغ — کس طرف لے گئی وحشت ترے دیوانے کو
ای جنوں تنگ ہوئی وسعت صحرا تجھ سے — اب کہاں جائے طبیعت کوئی بہلانے کو
گل پہ بلبل تھا کہیں شمع پہ پروانہ تھا — ہم نے ہر رنگ میں دیکھا ترے دیوانے کو
واشدِ دل نہ ہوئی غنچۂ خاطر نہ کھلا — کون سے باغ میں آئے تھے ہوا کھانے کو
میں نے جب بادیۂ غربت میں قدم رکھا تھا — دور تک یاد وطن آئی تھی سمجھانے کو

گئے وہ لوگ دکھلایا تھا جن کو حسن کا عالم — مرے ہی دیکھنے کی اب ہی نوبت مجھ کو دکھلا دو
میں دیکھوں گا وہی عالم پھر ان ترچھی نگاہوں کا — کوئی برباد جائے یا ہو غارت مجھ کو دکھلا دو

سمجھ رکھو وحید ان کو تبھی تک تم سے پردہ ہی — کہے جاؤ گے جب تک منہ سے صورت مجھ کو دکھلا دو

منہ سے اگر جواب مری بات کا نہ دو — آنکھیں ادھر اٹھا کے ذرا مسکرا نہ دو
کہتے ہیں اس سے لوگ شب غم کی سرگزشت — تم بھی وحید آنکھ سے آنسو گرا نہ دو

کہتے ہو تیری یاد سے آتی ہیں ہچکیاں — اچھا پھر اپنی یاد کو دل سے بھلا نہ دو

خواب ہو جائے گی یوں صحبتِ جاناں ہم کو — ای فلک تھا نہ خیالِ شب ہجراں ہم کو
نقدِ دل اپنا کہاں جنس محبت کی کہاں — مل گئی خوبی تقدیر سے ارزاں ہم کو
ہجر میں جینے کی ای دل نہیں صورت کوئی — صبر تجھ کو نہیں آتا ہی تو درماں ہم کو

ر کو مٹھی میں لیے خاک سے گل نکلے ہیں — اب ملی ہی خبر گنج شہیداں ہم کو

ی وحشت دل قصد ہی صحرا کا تو دم لے — چلتے ہیں ابھی ہم بھی ذرا دیکھ کے ان کو
ائینہ سے بہتر ہی صفائی میں وہ صورت — دن بھر مجھے سکتہ سا رہا دیکھ کے ان کو
وں سامنے سب کے نہیں کہہ سکتے جو کچھ حال — تنہائی میں ہو جاتا ہی کیا دیکھ کے ان کو

دی جان وحید اپنی یہ کس شخص پہ تو نے — کرتے ہیں حسیں نوحہ گری دیکھ کے تجھ کو

جب دل میں بہت ہوتی ہی پرواز کی حسرت — رہ جاتا ہوں بے بال و پری دیکھ کے تجھ کو
شادابی ہی ایسی ترے نظارے میں ای گل — ہو جاتی ہی ہر چیز ہری دیکھ کے تجھ کو
میرا بھی ہی اس باغ سے چلنے کا ارادہ — ای باد بہاری سفری دیکھ کے تجھ کو
دنیا میں وحید ایک زمانہ ہی گرفتار — خوش ہوتا ہی دل اس سے بری دیکھ کے تجھ کو

مانا کہ ہوا کرتی ہی کچھ آہ کی تاثیر — سختی میں جو دل یار کا پتھر ہو تو کیا ہو
دیکھے ہوئے ہیں عارض جاناں کی تجلی — خورشید قیامت کا ہمیں ڈر ہو تو کیا ہو
معلوم نہ ہونے پہ تو یہ خوف ہی ای موت — آنے کا ترے وقت مقرر ہو تو کیا ہو

کیوں شمس و قمر اب تو یہ جلوہ ہی تمھارا — تم نور ہیں وہ عارض انور ہو تو کیا ہو
کوچے کے تصور سے تو آجاتی ہی اک نیند — سنگِ در جاناں پہ مرا سر ہو تو کیا ہو

جس خاک کو پہلے سے نہ ہو ظرف یہ حاصل — وہ جام و سبو و خم و ساغر ہو تو کیا ہو

عالم ہی بیخودی کا ازل سے اگر ہی — دیوانہ تیرا حشر میں ہشیار ہو تو ہو
دل کو نہ ہونے دیں گے لہو انتظار میں — آنکھ اپنی ہجر یار میں خوں بار ہو تو ہو

کچھ خرابی نہیں عادت جو محبت کی نہ ہو — سچ تو یہ ہی سب ہو مگر چوٹ طبیعت کی نہ ہو

کچھ بھی خوب ہی آشفتہ مزاجی کا علاج — سرسری دیکھ سے زلفوں کو پریشان نہ ہو
نہ ملے مرکے بھی جس سے نہ طبیعت ہوئی صاف — وہ بھی انسان ہی کچھ جس میں ذرا آن نہ ہو

غبار محمل جاناں کہیں تو ہوگا بلند — ابھی مجھے اسی صحرا کی خاک اڑانے دو
نصیب میں ہی تو دکھلائی دے گا جلوہ یار — یہ لوح دل سے تو نقش خودی مٹانے دو

ہوتا ہی اس کا حضرت ناصح کوئی محل — ہر وقت سوجھتی ہی نصیحت کی آپ کو
جس وقت دیکھو حضرت واعظ یہی ہی ذکر — ایسی پڑی ہی دوزخ و جنت کی آپ کو
آئے تھے اتنے دن پہ ادھر وہ تو ای وحید — کہنی تھی اُن سے بات شکایت کی آپ کو

ابھی موقع شکایتوں کا نہیں — ان کے اقرار دیکھ لینے دو
پھر کہاں ہم کہاں یہ کوچۂ یار — در و دیوار دیکھ لینے دو
ابھی کیا قیس و کوہکن کا ذکر — دشت و کہسار دیکھ لینے دو

غش ہیں غرور حسن پہ گلہائے بوستاں — جاتے ہیں مفت ہاتھ سے غفلت میں رنگ و بو

صبا تیرے دامن میں کس کی ہے خوشبو
یہ گل اور گلشن میں کس کی ہے خوشبو

کیف شراب سرخ کا اللہ رے اثر
ہوتا ہے نشہ دیکھ کے بوتل کے رنگ کو
اب دیکھنا ہے اور ستم ان کا اے وحید
آنکھوں نے سحر کر دیا کاجل کے رنگ کو

آنکھوں سے ڈھونڈتا تھا میں حسن شگفتہ ماہ کو
روشن اسی کے نور سے پایا نگاہ کو
ہستی کا ہر نفس مجھے اک نزع روح تھا
کاٹا ہے میں نے مر کے مصیبت کی راہ کو

شکوۂ و رنج کے وقت آپ نے جو کہہ ڈالیں
انھیں باتوں کا ہے رہ رہ کے تاسف مجھ کو
آپ ہی کے تو نہ پہچاننے پہ کہتا ہوں
اب کسی سے نہ الٰہی ہو تعارف مجھ کو

ان کو دکھا سکتا ہے کوئی بھی اس درد کو
ہجر میں پیدا جو ہو وصل میں ناپید ہو

دیکھیں خطائے عشق سے کس روز ہو نجات
اب تک تو رو رہے ہیں اسی بھول چوک کو

اشارہ دل سے ہے سینے میں یہ بیتابی جاں کا
برابر رقص ہوتا ہی رہے جلسہ نہ سونا ہو
کیا ہے آپ نے آباد جس کو اپنے جلوے سے
الٰہی تا قیامت وہ مکان دل نہ سونا ہو
سنا ہے جاں بلب ہیں جو گئے تھے تیرے دیوانے
اب آبادی تو سونی ہو چکی صحرا ابھی سونا ہو
وہ ہیں خاموش تم رنجش کی باتیں پھر لگے کرنے
وحید اس وقت اگر ان کا ملال طبع دونا ہو

اس باغ میں دم بھر تو خوشی کا ہے زمانہ
پھولوں سے کہو ہنس لو کہو غنچوں سے وا ہو

کس پر یہ گزرتی نہیں دنیا میں مصیبت — شاید کوئی انسان محبت سے بچا ہو

اس زندگی و موت کی کیا بات ہے جس میں — جینے کی خوشی کچھ ہو نہ مرنے کا گلا ہو
بے تابیِ غم کا اثر چہرے سے ظاہر — حالِ دلِ حسرت زدہ تم پوچھتے کیا ہو

کونین کا دل جس پہ کہ نادیدہ فدا ہو — بے پردہ جو اس دم نظر آجائے تو کیا ہو
تکلیف و مصیبت میں جو ملنے لگے لذت — ہر زخم علاج اپنا ہو ہر درد دوا ہو

میسر فاقہ مستوں کو کہاں جام — ملا کر پی گئے چلّو سے چلّو

معنبر ہے ترے گیسو سے عنبر — معطر ہے تری خوشبو سے خوشبو

(دو رباعیاں)

اب اتنا جامے سے باہر نہ تم نکل کے چلو — نگاہیں سب کی اسی سمت ہیں سنبھل کے چلو

خوشی کے ساتھ اگر سیرِ باغ ہے منظور — تو پھول ہو کے کھلو نخل ہو کے پھل کے چلو

کہہ چکے جی سے جب گزرنے کو — اب نہ کہیے گا صبر کرنے کو
کیا رہا ہے ترے مریضوں میں — اب ہیں دن زندگی کے بھرنے کو
ڈوبے جو بحرِ عشق میں ڈوبے — تہ میں پہنچے ہیں کیا اُبھرنے کو

شبِ فراق سے کچھ اپنا بس چلے گا وحید — اب آگئی ہے جو سر پر گزار دیں اُس کو

صدموں کا حسرتوں کا کبھی سامنا نہ ہو | کہنے میں ہو اجل جو کسی کے تو کیا نہ ہو
بدنام ہونے پر بھی کوئی پوچھتا نہیں | ای دل کبھی غبارِ درِ التجا نہ ہو

ردیف (ہ)

یارب نہ اُٹھیں پھر وہ کسی شہر کی جانب | جن آنکھوں سے دیکھوں میں تماشائے مدینہ

ہر چند صاف ہوتا ہی صیقل سے ای وحید | لیکن گدازِ دل نہیں پاتا ہی آئینہ

محوِ خیال عارضِ زیبا ہی جب سے دل | اس دن سے ہر طرف نظر آتا ہی آئینہ
چمکا دیا ہی کس کے تصور نے اس قدر | ہر داغ دل مجھے نظر آتا ہی آئینہ

اب کہاں دونوں طرف حسنِ تبسم کا وہ نور | ہم نے دیکھے ہیں وہ رُخسار عجب لطف کے ساتھ
کبھی جس بات کا انکار وہ کر دیتے ہیں | اس کا پھر کرتے ہیں اقرار عجب لطف کے ساتھ
بے مے و شیشہ و ساغر نہیں رہتا کوئی دم | آج تک ہی یہ گنہگار عجب لطف کے ساتھ
ہوش ابھی تک نہیں محفل میں بجا رندوں کے | آیا تھا ساقیِ سرشار عجب لطف کے ساتھ
وحشتِ چشم میں صحرا کا ارادہ جو کیا | چل دیے چھوڑ کے گھر بار عجب لطف کے ساتھ
دُور سے عشق کے آثار نظر آتے ہیں | ہی مری زردیِ رخسار عجب لطف کے ساتھ
نظر آجاتا ہی پیشانیِ جاناں کا فروغ | صبح ہوتی ہی نمودار عجب لطف کے ساتھ
تلوے کھجلاتے ہیں جب وحشت نوردی کے لیے | چبھتے ہیں آبلوں میں خار عجب لطف کے ساتھ
ٹھنڈی سانس ان کو جو بھرتے ہوئے دیکھا ہی وحید | آہیں کرتا ہی دلِ زار عجب لطف کے ساتھ

دنیا میں کچھ انسان جو خوش ہیں تو حزیں کچھ — کیا شان ہے خالق کی کہیں کچھ ہے کہیں کچھ
اچھا ہؤا آپ آ گئے اُمید بر آئی — باتیں ابھی ہونٹوں پہ یہاں یاس کی تھیں کچھ
داغوں سے یہ ایما ہے مرے نالۂ دل کا — بھڑکاتے ہیں شعلے کو محبت کے یہیں کچھ

جب اس کے سوا اپنی نگاہوں میں نہیں کچھ — نزدیک ہمارے نہ مکاں کچھ نہ مکیں کچھ

بالائے فلک کچھ ہے نہ ہے زیرِ زمیں کچھ — جب آنکھ نہیں ارض و سما میں بھی نہیں کچھ

اب ہو رہے ہیں دید کی حسرت میں جاں بلب — سمجھے تھے ان کے طالبِ دیدار اور کچھ
کیا جانیں ان دنوں ہے کدھر آپ کا خیال — کہتا ہوں کچھ میں سُنتے ہیں سرکار اور کچھ
کیا ہوں گی لے کے دونوں جہاں کی نعمتیں — ہم کو ترے سوا نہیں درکار اور کچھ

ایسا کیا تھا صیقلِ وحدت نے آئینہ — اپنی ہی سمت پڑتی تھی منصور کی نگاہ
پھر کیجیے گا دیدۂ عرفاں پہ اعتراض — پیدا تو پہلے کیجیے منصور کی نگاہ
اب کیا پڑے گی آنکھ کسی حسن پر وحید — دیکھے ہوئے ہیں صاعقۂ طور کی نگاہ

دیر و حرم کو سمجھے ہیں سب آستانِ یار — ہم سے جو پوچھیے تو مکاں ہے نہ یہ نہ وہ
باتیں بتاؤ مرگ و قیامت کی عمر بھر — ہم کو خیالِ اہلِ جہاں ہے نہ یہ نہ وہ
جوشِ جنوں بھی آفتِ وحشت بھی تھی کبھی — اب صورتِ بہار و خزاں ہے نہ یہ نہ وہ
سنتے ہیں کر رہے ہیں طلب پھر وہ جان و دل — صدمہ تو اب یہی ہے یہاں ہے نہ یہ نہ وہ
آ گئے نقاہت اس میں تھی اس میں تھا بانکپن — اب کیا ہے وضعِ پیر و جواں ہے نہ یہ نہ وہ

موہوم زندگی ہی تو معدوم ہی جہاں — دونوں ہیں ای وحید گماں، ہی نہ یہ نہ وہ

کسی کا رنگ ترے رنگ سے نہیں باہر — بہار اپنی ہی صورت کی خوب و زشت میں دیکھ
تلاشِ معنی و صورت کے تو یہ معنی ہیں — جو خواب میں نہیں دیکھا وہ خوب و زشت میں دیکھ
حرم میں جس کے لئے جلوے کا دل سے طالب ہوں — وہ کہ رہا ہی تماشا مرا کنشت میں دیکھ

نہ پوچھو اپنی شکایت کی مجھ سے حضرتِ عشق — رہا ہی کچھ دنوں ذکر شریف کیسا کچھ
وحید روشنئ فکر کے یہ معنی ہیں — چمکتا جاتا ہی حسن ردیف کیسا کچھ

قدم کوچۂ عشق میں رکھ کے سیکھے — یہ ہی راہ دشوار ایسی کہ توبہ
کوئی مشغلہ جو نہ تھا زندگی بھر — گئی عمر بے کار ایسی کہ توبہ

ہو فکر میں زار تن ہمیشہ — کانٹے میں تلے بدن ہمیشہ
دورانِ شباب ہی بہت کم — مے خواری کی انجمن ہمیشہ
ناسورِ جگر کے کیا بتائیں — اک طور یہ ہی جلن ہمیشہ

کیسا محشر کہاں کی پرسش — ساقی یہی انجمن ہمیشہ
ہشیار کہ مرگ و قبر دونوں — کھولے ہوئے ہیں دہن ہمیشہ

ردیف (ی)

جس کی اک اک گھڑی میں تھے سو لطفِ زندگی
اس شب کی یہ سحر کوئی دیکھے تو کیا کہے

جس کا ہوا ایک لحظہ بھی دشوار دیکھنا
وہ جلوہ عمر بھر کوئی دیکھے تو کیا کہے
میں وہ ہوں جس کے دل میں تھی امیدِ وصلِ یار
یہ یاس کی نظر کوئی دیکھے تو کیا کہے
رخصت وہ مجھ سے ہو کے جہاں سے گئے ہیں گھر
اب بھی وہ ہیں نظر کوئی دیکھے تو کیا کہے

ہجر میں جب کوئی مونس ہے نہ غم خوار کوئی
سچ تو ہے کس سے کہے حالِ دلِ زار کوئی
رنگِ گل ہی سے نہیں سرخ یہ بلبل کا دہن
پارۂ دل بھی لیے ہے سرِ منقار کوئی

کچھ ایسی بڑھ گئی سوزش مرے داغِ جدائی کی
کہ کوسوں روشنی پہنچی چراغِ آشنائی کی
کریں کیوں کر گلہ صیاد کا ہم قید سے چھٹ کر
خوشی ہے قید کے غم سے کہیں بڑھ کر رہائی کی

پژمردہ ہوئے داغِ دلِ آہوں سے تو دیکھا
کملائے ہوئے پھول نہ دیکھے تھے صبا سے
جب زلف کے سودے میں گئے جانبِ گلزار
زنجیر پڑی پانو میں ہر موجِ ہوا سے

اٹھا سکتے نہیں ہیں جرمِ نظارہ سے اب آنکھیں
سزا تجویز کی ہے خوب تم نے اہلِ حیرت کی

رحیقِ صاف شے دی تو نے کم ظرفوں کو اے ساقی
بس اب جامِ شرابِ دردِ مینا ہم نہیں لیتے

بیخودی حصے میں اپنے ہی ہی اے ساقی ساغرِ عشق سے سرشار ہیں اچھے اچھے

مجھ میں تو ایک خوئے جفا اور ہو گئی میں اور ہو گیا نہ وفا اور ہو گئی
گل کا کہیں نشاں ہے نہ بلبل کا ذکر ہے دو روز میں چمن کی ہوا اور ہو گئی
آمد کو سن کے کھولی تھی بیمارِ غم نے آنکھ تم آ گئے امیدِ شفا اور ہو گئی
بنتِ عنب تو رندوں کو یونہی مباح تھی زاہد نظر پڑا تو روا اور ہو گئی
مشکل قبول ہو کے پھری آسمان سے تاثیر ہو گئی تو دعا اور ہو گئی
یاد آ گئی جو کعبے میں ابرو کی اے وحید اپنی نمازِ عشق ادا اور ہو گئی

تم سے جب تک نہ محبت تھی یہ حالت بھی نہ تھی دل پہ صدمہ بھی نہ تھا جان پہ آفت بھی نہ تھی
تنگیٔ گور کا جس سے ہمیں آتا نہ خیال حاصل اسی طرح کی دنیا میں فراغت بھی نہ تھی

اگر وہ امتحاں لیتا ہے میری سرفروشی کا تو میں بھی کس رہا ہوں یار کی تلوار کتنی ہے

آبادی میں آنکھوں سے جو تم دیکھ رہے ہو وحشت طرف گوشۂ صحرا بھی یہی تھی
ہم جس کے تصور میں رہا کرتے ہیں دن رات رخ بھی یہی تھا زلف چلیپا بھی یہی تھی
جس راہ سے اب آئے ہیں کعبہ کی طرف ہم معلوم ہوا راہِ کلیسا بھی یہی تھی

یوں تو بہت سی کی تھیں نگاہیں حضور نے کیا جانے دل پہ کر گئی تاثیر کون سی

جس پہ ہے نظر اپنی نظر میں بھی وہی ہے اشکوں میں وہی دیدۂ تر میں بھی وہی ہے

نورِ رُخِ روشن جو مرے دل میں ہے پنہاں
آئینۂ خورشید و قمر میں بھی وہی ہے
جو دل میں ہے وحشت وہ کہیں ہو نہیں جاتی
صحرا میں وہی دیکھ لو گھر میں بھی وہی ہے

غضب ہے چشمِ بلبل سے تو خونِ آرزو ٹپکے
کبھی ایسا نہ دیکھا زخمِ گل سے بھی لہو ٹپکے

تماشا دیکھنے کو شوق سے آئے تو تھے لیکن
تماشا ہو کے خود ہم اس تماشا گاہ سے نکلے
جب ان سے کہہ چکے احوال سب اپنی محبت کا
وہ ناواقف سے کچھ نکلے تو کچھ آگاہ سے نکلے

ہم اس کا زمانے میں کبھی نام نہ لیتے
پہلے سے جو کھلتا کہ محبت نہیں اچھی

پروردگارِ عالم کس کا خدا نہیں ہے
اپنا کوئی جہاں میں اس کے سوا نہیں ہے
دل ہے کہیں ہمارا آنکھیں کہیں ہماری
کوئی تو کھو گیا ہے جس کا پتا نہیں ہے
اے آسماں کہاں ہے اب لطفِ سیر باقی
ہاں چاندنی تو نکلی وہ مہ لقا نہیں ہے

اُلٹا مجھی سے کرتے ہو ہر بات کا گِلا
ہوتے بھی ہو جو دل میں پشیماں کبھی کبھی
تنگ آ چکے ہیں ایسا زمانے کے ہاتھ سے
ہوتے ہیں اب تو موت کے ارماں کبھی کبھی

شراب لا کہ گھٹا چھا رہی ہے گلشن پر
پھر اس کے بعد یہ ساقی سماں رہے نہ رہے
جہاں سے کام نہ اہلِ زمانہ سے مطلب
مسافرانہ ہم آئے تھے یاں رہے نہ رہے

لگا تو دی ہے محبت نے آگ سینے میں
یہ شعلہ دیکھیے دل میں نہاں رہے نہ رہے

وہ جلوہ نا کس کے دل وجاں میں نہیں ہے | کافر میں نہیں ہے کہ مسلماں میں نہیں ہے
ذی حوصلہ کم حوصلے سے ہوتے ہیں نازک | جو چاک ہے دل میں وہ گریباں میں نہیں ہے
یکساں ہے ترا کعبہ و بت خانے میں جلوہ | انصاف دلِ گبر و مسلماں میں نہیں ہے

جو ہو وصال تو یادِ فراقِ یار آئے | خزاں کے دن بھی نہ بھولیں اگر بہار آئے
نہیں ہے حسن بتاں ہی سے زاہد وانکار | خدا کو دیکھ لو تب بھی نہ اعتبار آئے

جو ڈھونڈھو تو سر تا قدم کچھ نہیں ہیں | جو سمجھو تو مجھ میں سراپا وہی ہے
اٹھا کر نظر جو نہ دیکھے کسی کو | وحیدؔ اس کی صورت کا شیدا وہی ہے

آسماں نے خوب بدلے وصل جاناں کے لیے | کر دیا مخصوص مجھ کو روزِ ہجراں کے لیے

دل کے احوال پہ فرقت میں نظر تھی کہ نہ تھی | سچ کہو کچھ تمھیں میری بھی خبر تھی کہ نہ تھی
شب گزر بھی گئی وہ آ بھی گئے دن بھی ہوا | کیا کہوں اب مجھے امید سحر تھی کہ نہ تھی

دل میں نہ رہی خواہشِ جنت تو نہیں غم | سر میں ہوسِ کوچۂ جاناں تو رہے گی

ناصحا پھر نہ رہا تیری نصیحت کا خیال | پھر مرے ہاتھ سوئے جیب و گریباں اٹھے

سینے کو آئے گا جو نہ سوئے زمیں اثر | گردوں تک اپنی آہ رسا بھی نہ جائے گی

دم بھر جو نہیں دیتے مجھے وصل کا آرام برسوں مجھے کیا ہجر کی ایذا بھی نہ دیں گے

ہوئے جب سے کسی کے خیال میں گم اسی روز سے آپ میں آ نہ سکے
کہیں دل کا پتا بھی لگا نہ سکے کہیں اپنا سُراغ بھی پا نہ سکے

ہوائے چمن تو نے تکلیف کیوں کی یہاں آپ جلنے کے ساماں میں ہم تھے
وہ کیا وقت تھا دیکھتے تھے جب اُن کو وہ کیا دن تھے جب کوئے جاناں میں ہم تھے
گلوں کی خرابی کا عالم نہ پوچھو خزاں چمن دونوں تھی گلستاں میں ہم تھے
وہ بھڑکانے کو تھے فقط شعلۂ غم لگانے کو آگ اس دل و جاں میں ہم تھے
جو ہیں پانو میں آبلے ان سے پوچھو ہمیں کیا خبر کس بیاباں میں ہم تھے

بھول جاتا جو ہوا ی ساقیٔ گلفام مجھے تو یہ بہتر ہے کہ پہلے سے نہ دے جام مجھے
نہیں ملتا کہیں وہ ساقیٔ گلفام مجھے جس کی آنکھوں سے ہے بے ہوشیٔ صد جام مجھے
سامنے آئی ہے آغازِ محبت میں وہی نظر آتا نہیں جس بات کا انجام مجھے
زندگی بھر تو قرارِ دلِ شیدا معلوم دم نکل جائے تو شاید ہو کچھ آرام مجھے

گزرتی ہے جو اس کے عشق میں اے حضرتِ ناصح یہ آکر آپ سے ساری زلیخا کون کہتا ہے

نہ کہنے پائے تا احوال رسم و رہِ الفت کا اسے دیوانہ کر دیں گے جسے ہشیار دیکھیں گے
تصور میں جہاں لے جائے گا نشہ محبت کا وہیں جا کر جمالِ ساقیٔ سرشار دیکھیں گے

گلستاں سے جانے دے پھر فصلِ گل کو | بتا دیں گے اے باغباں کیوں نہ آئے

ہزار نیشترِ غم دل بشر میں چبھے | مگر نہ خارِ جدائی دلِ بشر میں چبھے

چھینٹے نہ دیتے آنسوؤں سے اس پہ ہم کبھی | بھڑکے گی اور آتشِ غم جانتے نہ تھے

دیوانگیٔ قیس کو گزرے ابھی کے دن | ان پانوؤں میں زنجیر ہے زنجیر سے پہلے

دیر و حرم میں ڈھونڈھتے پھرتے ہیں کس کو ہم | جس کی طلب ہے وہ تو دلِ زار ہی میں ہے
ہوتا ہے گو شراب کے نشہ میں بھی سرور | مستی نگاہِ ساقیِ سرشار ہی میں ہے

گو مثلِ شرر اُڑنے کا مقدور نہیں ہے | پر منزلِ اربابِ فنا دور نہیں ہے

ہر گھر میں چشمِ شوق رہے یار کے لیے | اب کیا کریں بتایئے دیدار کے لیے

آئے ہیں ان کے حسن کے گاہک ہزارہا | محشر میں ازدحام ہے دیدار کے لیے

نظر آنے والی تھی شکل ازحبیب | اُجالا سا وقتِ دعا دیکھتے تھے

زمانہ نگاہوں میں تاریک ہے اب • کبھی دیدۂ سرمہ سا دیکھتے تھے

رگ دپے میں ایسا سمایا تھا جلوہ — کہ اک نورِ صبح و مسا دیکھتے تھے

اشعار میں ہے جوشِ طبیعت کی بھی لازم — دل سب کا دکھا دیتی ہے آوازِ حزیں کی

ہر سخن نالہ ہے تو ہر بات آہِ سرد ہے — اک بیانِ دردِ دل میں سو طرح کا درد ہے
دیکھیے کیا شان ہے چہرہ پہ ہیں آثارِ درد — اندرونِ سینہ دل ہے دل کے اندر درد ہے

دل زاہدوں کا حوروں کے قصہ کی طرف ہے — اب تذکرۂ حسنِ بشر وہ نہ سنیں گے

نہ دیکھیں ان کے سوا کچھ خیال ہے تو یہ ہے — انھیں کا ہو رہے اے دل کمال ہے تو یہ ہے

کیا بے وفائی عمر نے کی مجھ سے وقتِ مرگ — جب ساتھ چھوڑنا تھا تو کیا بے کے آئی تھی
اس رشکِ گل کی یاد کا کیا پوچھتے ہو حال — اس دم بھی اک شگوفہ نیا بے کے آئی تھی
جو کچھ دکھانے والی تھی الفت کی بیخودی — وہ سب نگاہِ ہوش ربا بے کے آئی تھی

اب شہر میں کہاں ہیں وہ وحشت کی شوخیاں — صحرا کی بات جتنی تھی صحرا کے ساتھ تھی
تم نے سنا ہے نزع میں حالِ وحیدِ زار — جو بات تھی وہ ایک تمنا کے ساتھ تھی

جو آنکھوں میں پھرا کرتی ہو تصویر — اثر اس کا کہیں پانا غضب ہے
جو الفت میں نہ سنتا ہو کسی کی — وحید اس دل کا سمجھانا غضب ہے

تری فرقت میں جب مجھ کو اکیلا دیکھ پاتی ہے — شبِ غم اک بلا بن کر اندھیرے میں ڈراتی ہے

نہیں ہے پوچھنے والا کوئی گورِ غریباں کا — فقط اک چاندنی تو نور کی چادر چڑھاتی ہے
یہی کیا بننے بگڑنے پر کسی کے روؤں دنیا میں — تماشا ایک مدت سے یہی قدرت دکھاتی ہے
نہ پوچھو دوستو آئی ہے کیوں کر آفتِ فرقت — مصیبت کچھ کسی سے پوچھ کر کیا سر پہ آتی ہے
ابھی پینے دو میرا ای واعظو کر لیں گے ابھی توبہ — یہ مانا ہم نے آئے گی قیامت آج آتی ہے

چمن میں آ گیا کیا موسمِ گل — طبیعت ان دنوں پھر رنگ پر ہے
نہیں تم سے اگر مجھ کو محبت — تمہارا دھیان کیوں آٹھوں پہر ہے

یہ سب تھے زیست کے قصے بکھیڑے — نہ اب ہم ہیں نہ سودا ہے نہ سر ہے
محبت کر کے ہم نے خوب دیکھا — سنا کرتے تھے کچھ اس کا اثر ہے
ابھی اس کو بچاؤ چشمِ بد سے — ہری کونپل جوانی کا شجر ہے

مرا بھی ہو گیا تھا سامنا آج — حقیقت میں غضب کی وہ نظر ہے
ہوا ہے ہم سے جو کچھ عہد و پیماں — یہ سب موقوف ان کی یاد پر ہے

گو مشکلِ سفر ابھی آساں نہیں ہوئی — اتنا ہوا کہ منزلِ دشوار وہ گئی
پیری میں اب کہاں ہیں جوانی کے ولولے — سر سے ہوائے وادیٔ پُرخار وہ گئی

ان زلفوں کی بو پا کے میں کرتا تجھے کیا یاد — تو مجھ کو بھی ای بادِ صبا بھول گئی تھی

ہم بزم میں کیا ساغرِ مے منہ سے لگاتے — کیا وہ نگہِ ہوش رُبا بھول گئی تھی
جن روزوں تری یاد سے رہتا تھا سروکار — ہر چیز مجھے تیرے سوا بھول گئی تھی

جب دل کے آستاں پہ رسائی نہ ہو سکی — دیر و حرم کو کافرِ دیں دار کیا چلے

رکھتے تھے انتہا کی محبت وہ میرے ساتھ — ذکر آج کا نہیں ہے یہ بات ابتدا کی ہے

دیکھو تو رنگ پھولوں کا کیا جلد اُڑ گیا — گھر تک گیا نہ ہوگا وہ رشکِ چمن ابھی
غربت کی شام دیکھ کے رونا سا آگیا — آنکھوں کے نیچے پھر گئی صبحِ وطن ابھی

قفس کی بے پر و بالی کا جب قصہ سناتا ہوں — تو سن کر یادِ پروازِ چمن کچھ اور کہتی ہے
مجھے معلوم ہے کیا حال تیرے دل کی رنجش کا — یہی چتون بتِ پیماں شکن کچھ اور کہتی ہے
ادھر وہ بہرِ گل گشت اے صبا شاید نہ آئے ہوں — مگر خوشبوئے گل ہائے چمن کچھ اور کہتی ہے

روتا ہے لہو دیدۂ تر تو بھی غضب ہے — بیدل نہ ہوا اے دردِ جگر تو بھی غضب ہے
رہ رہ کے سلگنے میں ہے گو دل بھی قیامت — جل بجھتا ہے دم بھر میں شرر تو بھی غضب ہے
گو عالمِ غربت میں بھی ہے سیر کا عالم — اے حسرتِ ہنگامِ سفر تو بھی غضب ہے

جن کے غم میں نہ نیند آتی تھی — مثلِ خواب آنکھ میں وہ آ بھی چکے
ان کی اب تک جگہ ہے آنکھوں میں — وہ نظر سے ہیں گرا بھی چکے
اب کہوں حالِ گریہ و زاری — ہنس چکے آپ مسکرا بھی چکے

خاک پہ سوئیں پاؤں پھیلا کر   آسماں در بدر پھرا بھی چکے
فصلِ گل باغ تک نہ آئی تھی   دھوم مرغ چمن مچا بھی چکے

فلک پہ اٹھی ہے گھٹا لطف کی   ہوا چلتی ہے آج کیا لطف کی
مر ان کی محفل میں جب تھا گزر   ق   وہ اول میں تھی ابتدا لطف کی
جواب ہے دم نزع ان کا خیال   یہ آخر میں ہے انتہا لطف کی

وحشت دل سے ہم ای یار کہیں کے نہ ہوئے   نہ تو صحرا ہی نہ گلزار کہیں کے نہ ہوئے
وہی کوچے ہیں یہاں بیخودی و ہشیاری   جو نہ بیخود تھے نہ ہشیار کہیں کے نہ ہوئے

وہ اور وقت تھا جب قدر تھی محبت کی   وحید اگلے زمانے کی تم نے خوب کہی

میں خوب سمجھتا ہوں دل میں جب آپ ہیں تم پاؤ گے مجھے
صورت بھی اگر دکھلاؤ گے دیوانہ بنا جاؤ گے مجھے
دنیا سے وحید گریزاں ہوں جاتا ہوں سوئے اقلیم عدم
میں راہ میں اب ملنے کا نہیں منزل ہی پہ آپ پاؤ گے مجھے

انسان کو حاصل ہوتے ہیں صحبت کے مزے بھی قسمت سے
کس لطف کی باتیں کرتے ہو، ان باتوں سے یاد آؤ گے مجھے

کل تک جو فرشِ گل پہ بھی رکھتے نہ تھے قدم   آج ان کی خاک تک نہیں عبرت کی بات ہے

یاد آگئی ہی اک بتِ کمسن کی شرارت — چٹکی سی ابھی لی ہی مرے دل میں کسی نے
خود رفتگیٔ شوق کا تا دیر رہا ذکر — پوچھا تھا وحید آپ کو محفل میں کسی نے

حسرت ابھی نظارۂ قاتل کی دل میں ہی — بسمل تو ہو چکے ہیں، مگر دل کی دل میں ہی
حسرت تمام راہ کی قابل ہی دید کے — اوّل قدم سے فکر جو منزل کی دل میں ہی
محمل گیا جو دُور نظر سے تو غم نہیں — ای قیس یاد صاحب محمل کی دل میں ہی
اب کیا رُکیں گے شوق شہادت ہی رہنما — سر ہاتھ پر ہی کوچۂ قاتل کی دل میں ہی

سو طرح کی دے مصیبت کردگار — الفت اک انساں کی انساں کو نہ دے
عالمِ وحشت میں صحرا خوب ہی — ای جنوں تکلیف زنداں کی نہ دے
پھول کو نسبت ہی کیا اس سے وحید — اب مثال اس روئے خنداں کی نہ دے

تقدیر بگڑتی ہی تو کچھ بن نہیں پڑتی — سچ کہتے ہیں پڑتی ہی تو کچھ بن نہیں پڑتی
رہ جاتا ہی منہ دیکھ کے دل تھام کے انساں — آنکھ آپ سے لڑتی ہی تو کچھ بن نہیں پڑتی

اسے تو آپ ہی میں ڈھونڈھ اگر ای دل طلب کچھ ہی
اسی انساں میں سب کچھ تھا اسی انساں میں سب کچھ ہی
نظر آتے کو ظاہر میں وہ آگے سے ہیں آزردہ
پر ان کے مُسکرا کر دیکھنے کا بھی سبب کچھ ہی

وہ ہیں جب دن سے جُدا وحشت ہی — جس طرف جاتے ہیں کیا وحشت ہی

آگے نالاں تھے جہاں اہل جنوں — اب وہیں نوحہ سرا وحشت ہی
اس گھڑی ہی جو طبیعت کہیں اور — آج پھر دل کو ذرا وحشت ہی
وہ بھی کرتے ہیں مجھے شاید یاد — کل سے کچھ آج سوا وحشت ہی

وحیدؔ سوئے حرم کیا کچھ اور رکھا ہی — کدھر چلے ہو بھٹک کر درِ صنم تو یہ ہی

کیا پوچھتے ہو ہجر میں اس کے سلوک کو — مدت سے راہ و رسم محبت کچھ اور ہی

تیرے ہاتھوں سے نہ تھے مجبور جیب — ای جنوں یہ تنگیٔ زنداں نہ تھی

میرے سینے سے قدم رکھ نہیں سکتے باہر — تیری حسرت نے محبت کی قسم کھائی ہی
نظر آتا نہیں کوئی بھی مصیبت میں شریک — وحشتِ دل مجھے کس دشت میں لے آئی ہی
جان سی جسم میں کیوں آئے نہ سُن کر احوال — دلِ گم گشتہ کی برسوں میں خبر پائی ہی
عشق کا نام لیا ہی تو ہو بہتر انجام — اب تو بدنام نہ ہونے میں بھی رسوائی ہی
دیکھا جائے گا پس مرگ بھی وحشت جو ہوئی — زندگی بھر تو یہی بادیہ پیمائی ہی

اس وقت تیرے نور سے جلوہ ہی دوسرا — نکلا ہی وقت صبح تو خورشید اور بھی

اس رُخ کی دل میں جلوہ گری عمر بھر رہی — یہ شیشہ وہ ہی جس میں پری عمر بھر رہی
ہونے نہ پائی خشک کبھی چشم خوں فشاں — دامن میں آستیں میں تری عمر بھر رہی

کیا دفعتاً خزاں نے کیا سب کو منتشر
وہ گل رہے چمن میں نہ گل کے ورق رہے
سُرخی ہی اس کی خونِ شہیداں کی یادگار
ڈوبی ہوئی لہو میں ہمیشہ شفق رہے

جدھر نگاہ اٹھائی ہوئی تجھی سے دوچار
ترے سوا بھی کوئی عالمِ وجود میں ہے
میں اپنے دل کو سمجھتا تھا آگے اور کہیں
اسی احاطۂ کونین کے حدود میں ہے

روزِ فرقت میں تھا صورت سے عیاں دل کا حال
آئینہ دارِ تمنا مری بے تابی تھی
آ گئے آپ میں کہتا تھا کوئی آتا ہے
آج کچھ دل کو مرے صبح سے بے تابی تھی

جس کے ملنے کی تجھے دیر و حرم میں آس ہے
وہ اندھیرے میں اُجالے میں بھی تیرے پاس ہے
یاس تو ہے یاس ہی اس کی مصیبت کیا کہوں
صورتِ امید بھی دیکھو تو شکلِ یاس ہے

کیا انتظارِ وصل میں دل کی صلاح لوں
یہ تو یہی کہے گا ابھی راہ دیکھیے

واعظ اک وقت تھا اس کا بھی یہی موسمِ گل
فکرِ توبہ دمِ توبہ شکنی کیا ہو گی

اس کی نگاہ تک جو نظر یک بہ یک گئی
آنکھوں میں ایک نور کی بجلی چمک گئی
کس لطف کے تھے عہدِ جوانی میں ولولے
کیا جانے کس طرف کو وہ دل کی دھڑک گئی

اشکوں کے ساتھ آبروئے دل بھی عشق میں
آنکھوں سے مثلِ قطرۂ شبنم ٹپک گئی
وقتِ سخن کھُلا دہنِ یار اس طرح
جیسے کلی گلاب کی کوئی چٹک گئی

جنبش یہ ہر قدم کی اُلٹتا تھا دل مرا
جس دم وہ آنے والے تھے آہٹ عجیب تھی

اس قدر محوِ رُخِ یار ہوئے ہیں عاشق
دیکھیے جس کو وہ تصویر تصور کی ہے
دل کے داغوں سے جو شرمندہ ہیں ماہ و خورشید
مہربانی یہ ترے رُخ کے تصور کی ہے

اگر ہے یادِ چمن عندلیب کو کچھ بھی
قفس میں چین نہ ہوگا غریب کو کچھ بھی

ایک دن سیرِ چمن ہمرہِ عاشق کیجیے
گل کو بھی کچھ چھیڑیے بلبل کو بھی دق کیجیے
بندگی میں جتنی کوشش ہو سکے انساں سے خیر
ان کے لائق تو نہیں اپنے موافق کیجیے

اچھا نہیں ہے آپ کو میرا اگر خیال
دیکھوں گا تو سہی جو تأسف نہ کیجیے
حالت یہ اک زمانے کی آنسو بہائیے
اپنی مصیبتوں پہ مگر اُف نہ کیجیے

ہزار بار خزاں آئے باغ میں تو کیا
مری نظر میں ہیں کیفیتیں بہاروں کی
یہ ذکر دوست بھی سُنتے نہیں لگا کر دل
وحید تنگ ہوں میں بے دلی سے یاروں کی

یہ جب آنکھ ان سے لڑی نہ تھی تو یہ آنسوؤں کی جھڑی نہ تھی
کوئی دل میں پھانس گڑی نہ تھی کوئی رات اتنی بڑی نہ تھی

غزل مسلسل

وہ عجیب شعلۂ نور ہے جو نظر میں شانِ ظہور ہے
کہیں مستِ ناز و غرور ہے کہیں نشہ ہو کے سرور ہے
جو فلک پہ حسنِ حضور ہے تو زمیں پہ جلوۂ نور ہے
یہ فقط نظر کا قصور ہے کہ قریب ہو کے بھی دور ہے

کہیں پردے میں ہے وہ جلوہ گر کہیں شعلہ زن کہیں خود شرر
کہیں سوزِ داغِ دل و جگر کہیں برقِ خرمن طور ہے

کہیں مثلِ رنگ ہے خوش نما کہیں مثلِ نور ہے پُر ضیا
کہیں شیشہ ہے مئے سرخ کا کہیں عکسِ جامِ بلور ہے

کہیں شوقِ جامہ دری ہے وہ کہیں سحرِ حسن پری ہے وہ
کہیں حالِ بے خبری ہے وہ کہیں سحرِ دیدۂ حور ہے

کہیں رنج و غم کا ہے رازداں کہیں دردِ دل کی وہ داستاں
کہیں عبرتِ دلِ رہرواں کہیں یادِ شورِ نشور ہے

کہیں پردہ پوشوں کی ہے جھلک کہیں بے حجابوں کی خود چمک
کہیں آنکھ ہے کہیں مردمک کہیں پُتلیوں کا وہ نور ہے

کہیں لطف ہے کہیں خود ستم کہیں ظلم ہے کہیں خود کرم
کہیں خود خدا کہیں خود صنم کہیں خود تجلّی و طور ہے

کہیں اشک و دیدۂ جستجو کہیں حسرتِ دلِ آرزو
کہیں آبِ چہرۂ آبرو کہیں رنگِ عفوِ قصور ہے

کہیں جرعہ نوشِ مُطرب کہیں بادہ کش کہیں تشنہ لب
کہیں پیرِ میکدۂ طلب کہیں فیضِ جامِ طہور ہے

کہیں رنگ گلشن و باغ کا کہیں نورِ شمع و چراغ کا
کہیں جوشِ بحرِ سراغ کا کہیں موجِ قلزمِ نور ہے

کہیں بوئے جامۂ عطر سا کہیں نازِ عشوۂ دلربا
کہیں آرزو کہیں مدعا کہیں لطف و عیش و سرور ہے

کہیں وہ وحید زمانہ ہے کہیں آشنا ہے یگانہ ہے
کہیں غیر ہو کے فسانہ ہے کہیں شرحِ قصۂ دور ہے

غزل مسلسل

کسی آئینہ سے وہ دور ہے کسی آئینہ کے حضور ہے
کہیں ایک جہان سرور ہے کہیں لاکھ عالمِ نور ہے

کہیں محوِ حسن و جمال خود کہیں وجد و صاحبِ حال خود
کہیں شغلِ فکر و خیال خود کہیں شانِ غیب و حضور ہے

کہیں خود ہے طوطیٔ خوش بیاں کہیں خود ہے بلبلِ نوحہ خواں
کہیں حرفِ ہر سخن و زباں کہیں رمزِ دانِ رموز ہے

کہیں روحِ جلوۂ ناز خود کہیں جانِ سوز و گداز خود
کہیں اہلِ راز و نیاز خود کہیں بیخودی و سرور ہے

کہیں دلبروں کی وہ شان ہے کہیں عاشقوں کی وہ جان ہے
کہیں بے نشاں ہے نشان ہے کہیں ہر مکاں میں ظہور ہے

کہیں مضطرب ہے وہ چاہ میں کہیں منتظر ہے وہ راہ میں
کہیں آپ اپنی نگاہ میں کہیں وہ سمجھ سے بھی دور ہے

کہیں بیم و خوف و ہراس ہے کہیں وہ امیدی آس ہے
کہیں شکلِ حسرت و یاس ہے کہیں درد و غم کا وفور ہے

جو وحید نام یہ مٹ گیا وہی جانتا ہے یہ ماجرا
کہ جو پہلے نورِ قدیم تھا بس اسی کا سب یہ ظہور ہے

زمیں سے آسماں تک نور کا جلوہ تھا آنکھوں میں
یہ پیشانی جب اس در پہ تھی قسمت اور ڈھب کی تھی

آفت سی ہی وحید کلیجے کے متصل | اب کیا بتاؤں کون سی جا دل میں ٹیس ہی

طرح داری تو حصہ ہی فسوں کاری بھی آتی ہی | تجھے ظالم زمانہ بھر کی عیاری بھی آتی ہی
ترے عشاق کو آتا ہی جب دیوانہ بن جانا | تو صحرا کو نکل جانے کی ہشیاری بھی آتی ہی

ہوا کرتی ہیں ضدیت کی باتیں جمع مشکل سے | جہاں تک پختگی ہی عقل کی الفت کی خامی ہی

محوِ رُخِ یار کچھ ایسے ہوئے ہیں | شکل دکھائی بھی نہ دی غیر کی

آگے تھا فلک کچھ اور سامان | اب کیا تری بساط میں ہی

یہ بھی ممکن کہ پینے پہ نہ راضی ہوتا | زاہدِ خشک کو رندوں نے ٹٹولا نہ کبھی
ایسی نفرت مجھے دنیا سے ہوئی تا دمِ حشر | کر لیا بند تو پھر آنکھوں کو کھولا نہ کبھی

میرے لب تک اگر آنے کی قسم کھائی ہی | شیشہ و جام میں بھی بادہ نہ رہنے پائے

یاد آئی ہیں جو وصل و ہجر کی کیفیتیں | چند ساعت سے محبت دوسرے عالم میں ہی
شورشِ دل کا کہیں تو اٹھ رہے گا کچھ مزا | تنگ ہی صحرا تو وسعت دوسرے عالم میں ہی

حسرت نظر آئی نہ جدائی نظر آئی / جب وصل ہوا ان سے جدائی نظر آئی
کس وادیٔ پُر خار کے یاد آگئے صدمے / گھر بیٹھے ہوئے آبلہ پائی نظر آئی
سو بار کلیجے پہ چھری ہجر میں پھیری / اب تک نہ محبت کی بُرائی نظر آئی

اللہ رے ترے حسن خدا داد کا عالم / ہر وقت نئی جلوہ نمائی نظر آئی

آتی ہیں نظر اور ہی عالم میں وہ آنکھیں / پہنچایا کہاں نشۂ صہبا مجھے تو نے

کیا بیخودیٔ شوق ہے یہ بھی نہیں معلوم / دیکھا نہیں کب سے رُخ زیبا تجھے میں نے
آئینۂ معراج سے ای عکسِ مقابل / تو نے مجھے دیکھا کہ یہ دیکھا تجھے میں نے

محبت کے چھپانے کو بنائی سینکڑوں باتیں / کسی سے جب کبھی پوچھا مجھے تو نے تجھے میں نے

نظارہ ساقی کی اللہ رے بے ہوشی / جب دیکھو نظر کی ہے مستی سے ہم آغوشی
صورت کو بھی تکتا ہوں کچھ کہہ بھی نہیں سکتا / ہُشیاری کی ہشیاری بے ہوشی کی بے ہوشی
جب یاد وحید اس کی آتی ہے مرے دل کو / کیا رنگ دکھاتی ہے ہر شے کی فراموشی

ابھی ابھی اسی جانب کو آتی تھی وہ نگاہ / مری نظر کو جو دیکھا حجاب ہو کے پھری
سرورِ ولولۂ حسن و عشق ازل میں جو تھی / کہاں کہاں وہی مستی شباب ہو کے پھری
تمام خلق کو اب بے وفا سمجھنے لگے / طبیعت ان سے پھری تو خراب ہو کے پھری

عروج نشہ میں کھولی جو آنکھ رندوں نے	فلک پہ دختر رز آفتاب ہو کے پھری

اسی جانب کی دھن ہی تو نہیں واماندگی کا غم
پہنچنا ہی تو پہنچیں گے ارادہ کارواں تک ہی

تصور کا پہلے دیکھے جلوہ کہاں تک ہی	رسائی فکر کی دیر و حرم کیا لامکاں تک ہی
نہ پوچھو کتنے دن گزرے ہیں بلبل کی اسیری کو	ابھی تو باغ میں موجود اس کا آشیاں تک ہی
اٹھائی ہی غضب کی چوٹ دل پر ہجر جاناں میں	مرے چہرے کی رنگت زرد ہی صدیہاں تک ہی
ملائے اب خدا بچھڑے ہوؤں کو جانے والوں سے	ہجوم یاس کا پردہ سا حائل کارواں تک ہی
معطر ہی اسی کوچے کی صورت اپنا صحرا بھی	کہاں کھولے ہیں گیسو یار نے خوشبو کہاں تک ہی

ایک جہاں ہی ظلم رسیدہ کس کی کہیے کس کی سنیے
کون نہیں ہی آفت دیدہ کس کی کہیے کس کی سنیے

سو رشک آفتاب نکل کر ہوئے غروب	جب سرگزشت گنبد نیلوفری کہی

مرا خیال تھا یا میں ہی ان کے سامنے تھا	یہ مجھ کو کچھ نہیں معلوم کیوں وہ آکے ہٹے
نگاہ یار کا آفت تھا قہر تھا ملنا	جگر سنبھالا تو کیا چوٹ دل پہ کھاکے ہٹے
بلا سے مرگئے یا خاک ہو گئے ای دل	قدم تو معرکۂ عشق میں نہ آکے ہٹے

یہ آئینہ ہی سے عیاں ہوگا تم پر	کہ ہم آپ میں جب نہیں تھے تو کیا تھے

وہاں بھی یہی بے قراری تھی دل کی
تصور میں جب ہم وہیں تھے تو کیا تھے
جواب رونق افزائے گلشن ہیں یارب
یہ سب پھول زیرِ زمیں تھے تو کیا تھے

دیکھی حالت جو سر پٹکنے کی
کچھ کہی بھی تو دل دھڑکنے کی
خوب سوجھی ہے میری آنکھوں کو
عمر بھر ان کی راہ تکنے کی
اب کہاں ہیں وہ ولولے اے دل
یہ سزا ہے اسی دھڑکنے کی
قبر کے سوئے حشر میں اُٹھے
اس قدر ماندگی تھی تھکنے کی
رہ گیا راز دل کا سربستہ
یہ کلی اب نہیں چٹکنے کی

کس کا عالم دیکھیے کس کا تماشا دیکھیے
ذرّے ذرّے میں ہے اس کا نور کیا کیا دیکھیے
دل سے کب فرصت ہے جو کعبہ کلیسا دیکھیے
کارخانے اس کی قدرت کے ہیں کیا کیا دیکھیے
کھیلتے ہیں زندگی کا کھیل تو اک عمر سے
کب بگڑتا ہے یہ مٹی کا گھروندا دیکھیے

اس کی قدرت کا کہیں کیوں دور جلوا دیکھیے
اک اسی مٹی کے پتلے سے ہے کیا کیا دیکھیے
اک تبسّم سے یہ ایسا روئے زیبا دیکھیے
اک نظر میں یہ کہ ہم سمجھیں گے اچھا دیکھیے
حضرتِ دل آپ کی بستی میں وحشت جا چکی
میرا کہنا مانیے تو چل کے صحرا دیکھیے
حضرتِ واعظ کہاں اب بزمِ رنداں میں شراب
جام و مینا دیکھیے گا! جام و مینا دیکھیے

سر اٹھانے کو نہیں دیتی ہے تکلیف خمار
اشتیاقِ جام و مینا وہ ابھی تک ہے وہی

ہوائے چمن یا نہ آئے قفس تک
جو آتی ہے تو بال پر لے کے آئے

ہر دم ہیں وہی آنکھوں میں الفت ہی کیسی — دل اپنا انھیں میں ہی طبیعت ہی یہ کیسی

مصیبت میں کام آچکے حضرتِ دل — یہ مجھ سے زیادہ ہیں گھبرانے والے
مجھے صدمہ دیتے ہیں کیوں وقتِ رخصت — یہ اشک آنکھ میں بھر کے رہ جانے والے

کچھ تو دیکھا ہی نگاہوں میں طرح داروں کی
جس سے آنکھیں ہیں کہیں اور دل افگاروں کی
آج کچھ رنگ طبیعت کا ہی بے رنگ ضرور
تر ہیں کیوں خون سے آنکھیں مرے غم خواروں کی

خاک بھی چھان چکے داغ بھی کھائے کچھ دن — اب بیابانوں کی حسرت ہی نہ گلزاروں کی
کر دیا اور مرے داغِ کہن کو تازہ — داستاں کس نے یہ چھیڑی جگر افگاروں کی
نہ دیا بزم میں ساقی نے جو ساغر نہ دیا — خیر صحبت تو میسر ہوئی مے خواروں کی

محبت بھی ہوا کرتی ہی دل بھی دل سے ملتا ہی
یہ سب ہوتا ہی لیکن آدمی مشکل سے ملتا ہی
مقامِ قرب آتا ہی نظر راہِ طریقت میں
یہ کیسا راستہ ہی یہ تو کچھ منزل سے ملتا ہی
کسی سے یوں نہیں ملتا مزا حسرت کی باتوں کا
شریکِ غم سے رنج و درد کے شامل سے ملتا ہی

کہا عمر بھر ہم نے دل کا فسانہ　　کبھی آخرِ داستاں تک نہ پہنچے

وطن کا پتہ اب نہ غربت میں پوچھو　　وہیں سے چلے تھے جہاں تک نہ پہنچے

وہ میرے ہی خیال دل کا جلوہ سا یہ گستر ہے　　جو مہر و ماہ میں ہے نور آئینہ میں جوہر ہے
یہ کیوں بے فائدہ ہیں زیر و بالا ہر طرف آنکھیں　　زمین و آسماں سب کچھ تو اپنے دل کے اندر ہے
وحید اہل سخن اشعار سے کیا اپنے خوش ہوں گے　　خرابی کا فسانہ ہے پریشانی کا دفتر ہے

آئیں تو وہ کبھی ادھر کچھ نہ سہی یہی سہی　　دیکھ تو لیں گے اک نظر کچھ نہ سہی یہی سہی

آمد ہے کس کی چشم سیہ کے خیال کی　　ہر سمت ہیں بچھی ہوئی آنکھیں غزال کی
کیفیتیں نہ پوچھیے کچھ وجد و حال کی　　تاثیر ہے یہ دل پہ انھیں کے خیال کی

سر دھنے روئے یا جلے پگھلے　　شمع مہماں ہے ایک ہی شب کی

اب محبت نہیں ہے نام کو بھی　　دیکھ لو ایک نظر تو پھر ہے وہی

زنداں میں کیا ہے کم ترے وحشی کو تیری یاد　　صحرا نورد اگر نہیں عزلت گزیں تو ہے

در گزرے خلد سے ترے در کی زمیں تو ہے　　شکر اس کا ہے کہ اپنا ٹھکانا کہیں تو ہے
منہ سے نہ کہیے یوں مگر آنکھوں سے ہے عیاں　　اس دم تصور آپ کے دل کا کہیں تو ہے

عجب عشرت تھی جب تک تھی جوانی ـــــ وہ باتیں ہو گئیں اب سب کہانی

دیکھا نہیں ہے اب تک ایسا شباب میں نے ـــــ تم نے جوان ہو کر دنیا تو پھر نئی کی

دُنیا کے دور اپنے سے کدھر جاتے ہیں دیکھیں ـــــ لائی وہیں وحشت وہ جدھر ہے بھی نہیں بھی

جوش مستی میں نکلتا ہے جو مے خانے سے ـــــ وہ مشابہ ہے چھلکتے ہوئے پیمانے سے
کیا سرور آنکھوں میں جم جاتا ہے پیمانے سے ـــــ جی نکلنے کو نہیں چاہتا مے خانے سے
آپ کے عشق نے دکھلا دیے دونوں کے سلوک ـــــ اب گلہ کچھ ہے نہ اپنے سے نہ بیگانے سے
وحشتِ دل کو یہاں بھی جو نہیں چین نہ ہو ـــــ آپ برخاستہ خاطر ہوں میں ویرانے سے

یادِ مے خانہ دل آتی ہے مے خانے سے ـــــ آفتاب آنکھوں میں پھر جاتا ہے پیمانے سے
ید بیضا ہے مرے ہاتھ میں پیمانے سے ـــــ طور سینا ہے مری آنکھوں میں مے خانے سے
آگے کیا دور تھا کیا رند تھے کیا جلسے تھے ـــــ کیا کہیں اگلی وہ باتیں گئیں ویرانے سے
دل پہ گزری ہوئی باتوں کا ہے کچھ اور اثر ـــــ اب نہ بہلے گی طبیعت کسی افسانے سے

سوزشِ دل کا نہ کیوں نالوں سے ہو سنگ کچھ اور ـــــ آگ ہے آگ بھڑکتی ہے یہ بھڑکانے سے
دلِ بے تاب یہ دم بھر کا افاقہ کیا تھا ـــــ ہم تو سمجھے تھے کہ فرصت ہوئی گھبرانے سے
کیا تماشا ہے جو خود باعثِ وحشت ہیں وحید ـــــ کہتے ہیں مجھ کو ہے نفرت ترے گھبرانے سے

چھوڑتے کیوں ہو زندگی میں ہمیں ـــــ ایک دن آپ ہی جدا ہو گے

خیر اسی بات کی قسم کھاؤ — آج سے کیا کبھی نہ بولو گے
چپکے چپکے وہ کہہ رہے ہیں وحید — ہم کو کوئی غزل سناؤ گے

میں نہ کہتا تھا کہ گلشن میں بہار آئی ہے — دیکھ لو مرغ چمن دھوم مچاتے نہ گئے

کیا کیا ترے انوار نے دکھلائے ہیں اسرار — جو کچھ مری آنکھوں سے نہاں ہے وہ عیاں ہے

Anjuman-e-Taraqqi-e-Urdu Series No. 119.

INTIKHAB-I-WAHEED

By

SYYED ALI HASNAIN, ZAIBA, M. A.

Formerly Research Scholar, Osmania University.

Published by

The Anjuman-e-Taraqqi-e-Urdu (India),

DELHI.

1939